ہفت روزہ
خدام الدین لاہور
بانی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۳/اپریل ۱۹۸۲ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین، لاہور
ڈیڑھ روپیہ

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ——— زاہد الراشدی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے کے ہاں لوگوں میں سے بہتر آدمی ہو جا اور اپنے نزدیک لوگوں میں سے برا شخص بن جا اور لوگوں کے نزدیک لوگوں میں سے ایک آدمی بن جا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔ اور کہا اے عزیر! جب تو صغیرہ گناہ کرے تو اس کے چھوٹے پن کو نہ دیکھ بلکہ اس ذات کی طرف دیکھ جس کا تُو نے گناہ کیا ہے اور جب تجھے کوئی چھوٹی سی بھلائی پہنچے تو اس کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھ بلکہ اس ذات کو دیکھ جس نے تجھ پر انعام فرمایا اور جب تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو میری مخلوق کے پاس میرا شکوہ نہ کر جیسا کہ مَیں فرشتوں کے پاس تیرا شکوہ نہیں کرتا۔ جب کہ میرے پاس تیری برائیوں کی بات پہنچتی ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ ہر روز صبح شیطان مجھے کہتا ہے تو کیا کھائیگا؟ کیا پہنے گا؟ اور کہاں رہے گا؟ تو مَیں اسے کہتا ہوں موت کھاؤں گا کفن پہنوں گا اور قبر میں رہوں گا۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نافرمانی کی ذلّت سے نکل کر اطاعت کی عزت کی طرف آ گیا اللہ تعالٰے اسے بغیر مال کے غنی کر دیں گے۔ اور بغیر لشکر کے اس کی مدد کریں گے اور نہ قبیلہ کے بغیر اسے عزت بخشیں گے۔

روایت کی گئی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا تم نے صبح کس حال میں کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم نے اللہ تعالٰے پر ایمان رکھتے ہوئے صبح کی ہے۔ فرمایا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ عرض کیا ہم آزمائش پر صبر کرتے ہیں۔ آسائش پر شکر کرتے ہیں اور تقدیر پر راضی ہیں۔ اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ربّ کعبہ کی قسم بے شک تم مومن ہو۔"

اللہ تعالٰے نے اپنے ایک پیغمبرؑ پر وحی نازل فرمائی کہ جو شخص مجھے اس حال میں ملا کہ وہ مجھ سے ڈرتا ہے مَیں اسے اپنی جہنم سے دُور رکھوں گا اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے مَیں اسے اپنی جنّت میں داخل کروں گا اور جو مجھے اس حال میں ملا کہ وہ مجھ سے حیا کرتا ہے میں کراماً کاتبین کو اس کے گناہ بھلا دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر فرض کیا ہے اس کو ادا کر تُو سب لوگوں سے زیادہ عبادت گذار بن جائے گا۔ اور اللہ تعالٰے کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کر تُو سب لوگوں سے زیادہ تارک الدنیا ہو جائے گا اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو جا، تو سب لوگوں سے زیادہ تارک الدنیا بن جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس پر تو چاہے احسان کر پس تو اس کا امیر ہے اور جس سے چاہے سوال کر پس تو اس کا قیدی اور جس سے چاہے مستغنی رہ پس تو اس کی نظیر ہے۔

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

جلد ۲۷ شمارہ ۴۳
جمعۃ المبارک ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

رئیس الادارہ
شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
محمد سعید الرحمٰن علوی
عبد الرشید انصاری — کراچی
ظہیر میر ایم اے ایل ایل بی

سرکولیشن مینیجر
احسان الواحد

دفاتر
کراچی: انجمن خدام الدین بلڈنگ، بھلی جوزنگی ناظم آباد، کراچی فون ۲۱۱۴۲۳
لاہور: خدام الدین مرکز، اندرون شیرانوالہ دروازہ فون ۶۴۹۱۲

بدل اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے

فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ

سالانہ خریداری برائے غیر ممالک
بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

سعودی عرب	۲۰۰ روپے
کویت، اومان، شارجہ، دوبی، اردن، شام	۲۴۰ روپے
انگلینڈ، یورپ	۲۹۰ روپے
امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا	۲۶۵ روپے
افریقہ (بر اعظم)	۴۰۵ روپے
ہندوستان، افغانستان	۱۶۰ روپے

ناشر مولانا عبید اللہ انور طابع الٰہی بخش
مطبع کاموپرنٹرز ۴۰

للہ الحمد

قادیانیت کا مسئلہ سارے ملک کے لئے عرصہ سے دردِ سر بنا ہوا تھا۔ خدا خدا کر کے ۱۹۷۴ء میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ جس پر لوگوں نے کسی قدر سکون کا سانس لیا تھا —— گو کہ اس آئینی ترمیم کے لازمی تقاضے اب تک پورے نہیں ہوتے جو افسوسناک امر ہے تاہم یہ غنیمت تھا کہ آئینی طور پر تو ان کا پتہ کٹ گیا لیکن پچھلے دنوں سابقہ حکومت کے اٹارنی جنرل نے یہ بات کہہ کر ساری دنیا کو چونکا دیا۔ کہ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم ختم ہو چکی ہے اور یہ کہ جب عبوری آئین ختم ہوگا تو مرزائیوں کی سابقہ پوزیشن پھر بحال ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کہ یہ بات تشویشناک تھی۔ اس لئے ملک میں اس کا ردِّ عمل ہوا - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - بہر طور کل کے اخبارات میں اس ضمن میں جو تفصیلات حکومت کی طرف سے آئی ہیں اور مجلس شوریٰ کے اجلاس میں قاری سعید الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق کی مشترکہ تحریک پر راجہ ظفر الحق صاحب نے جو وضاحت کی اس پر اہل اسلام کا مطمئن ہونا فطری بات ہے —— ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکومت وقت کو جرأت و غیرتِ دینی سے بیش از بیش حصّہ عطا کرے اور اس وضاحت کے بعد وہ مرزائیوں کے معاملہ میں اپنی باقی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرے۔

یحییٰ بختیار کے اعلان کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوّت اور ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد سمیت جن جن اداروں، جماعتوں اور افراد نے اس سلسلہ میں بھاگ دوڑ کی ملّت ان کی ممنون ہے۔

تاریخ تصوّف
اور
تصوّف کی حقیقت

چند سال قبل محکمہ اوقاف کی وساطت سے معروف سکالر جناب یوسف سلیم چشتی صاحب کی کتاب "تاریخ تصوّف" شائع ہوئی جس کا ملک بھر میں خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن یکایک ایک مخصوص طبقہ نے اس کتاب کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اور نہ صرف اس کی ضبطی کا مطالبہ ہونے لگا۔ بلکہ محکمہ اوقاف کو توڑنے یا کم از کم بریلوی اوقاف کو علیحدہ کرنے کی بھی باتیں ہونے لگیں ——— ہم خدام الدین کے صفحات میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اور وہ حت و صراحت کے ساتھ عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ تاریخ تصوف یا اولیاء اللہ کی توہین کا نہیں اصل مسئلہ محکمہ کے بعض ملازمین کے مفادات کا ہے جو گورنر صاحب کے قائم کردہ "مرکز معارف اولیاء" کی ڈائریکٹری کا منصب حاصل کر کے اپنی دکان تجارت (المعارف) کو چمکانا چاہتے ہیں۔ ان کی حمایت و سرپرستی وفاقی شرعی کورٹ کے ایک قابل احترام رکن اور رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین جیسے افراد کر رہے ہیں جو بہر طور افسوسناک ہے لیکن نظم و انتظام کے ذمہ دار ادارے اس سلسلہ میں احتجاجی جلسوں، جلوسوں اور قراردادوں کا قطعاً نوٹس نہیں لے رہے جس کی وجہ ہماری سمجھ سے بالا ہے ——— ہم اپنی اس بات کو دہرانا چاہتے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام کسی طبقہ کی متاع نہیں وہ ملت کے ہر سلیم الفطرت مسلمان کا مشترک سرمایہ ہیں۔ اور ان کے نام پر ہونے والی رسومات ان کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ گورنر صاحب کی ہدایات کے مطابق "مرکز معارف اولیاء" کے لئے غیر جانبدارانہ عملے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ریسرچ سکالرز و مشاورتی بورڈ وغیرہ میں یونیورسٹی سطح کے ڈائریکٹرز اور ذمہ دار افراد کو شامل کیا جائے تاکہ ان بلا نوشانِ محبت کی سیرت و کردار پر ہونے والا کام فرقہ واریت سے محفوظ رہ سکے ——— وہ لوگ جو تاریخ تصوّف کی ضبطی کا مطالبہ کر رہے ہیں انہیں پنجاب یونیورسٹی شعبہ صحافت کے سربراہ پروفیسر وارث میر صاحب کا وہ قابل قدر مقالہ پڑھنا چاہئے جو نوائے وقت لاہور میں مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اور آج اس کی چوتھی قسط شائع ہوئی ہے۔ اس میں وارث میر صاحب نے جس خوبصورتی سے "تاریخ تصوّف" کا دفاع کیا ہے وہ ان کی بیدار مغزی اور حقائق سے باخبری کی دلیل ہے۔ نیز نوائے وقت میں چند دن قبل ایک مخصوص طبقے کی زیر زمین سرگرمیوں کے تحت اس کتاب کے خلاف جو شذرہ لکھا گیا اس کا مثبت و معقول جواب ہے ——— ساتھ ہی وارث میر صاحب نے علامہ اقبال مرحوم کے نام کا استحصال کرنے والے پرویز صاحب کی بھی تکلیف دہ کتاب

(باقی ۶ پر)

اعلان

ہمارے سابق نمائندہ محترم جناب احسان الواحد صاحب اب ادارے کی نمائندگی کے لئے باہر دورے پر تشریف نہیں لے جاتے۔ لہٰذا معاونین ادارہ سے التماس ہے کہ آئندہ براہ کرم براہ راست جناب جاوید انور سرکولیشن انچارج دفتر ہفت روزہ خدام الدین لاہور سے بذریعہ خط و کتابت یا فون نمبر [illegible] پر رابطہ قائم کریں۔

یاد رہے [illegible] ادارہ کا کوئی کارکن دورے پر نہیں جاتا۔

(ناظم)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : خالد سلیم

رزقِ حلال اور کثرتِ ذکر اللہ سے سکون و اطمینان حاصل ہو گا

شیخ طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: امّا بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:-

کوشش و محنت ایسی کرو کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ اپنی تمام توانائی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا نام جہاد ہے۔ نماز پڑھنا ذکر اللہ کرنا اور رزق حلال کے لئے تگ و دو کرنا کوشش ہے نفس کی اصلاح کرنا اصل جہاد ہے۔ حکم ہے کہ ۷ سال کے بچے کو نماز پڑھانی شروع کرو۔ ۱۰ سال کی عمر میں اسے زبردستی نماز پڑھاؤ۔ اسلام میں اخلاق و کردار کو بہتر بنانے کی ٹریننگ ۱۰ سال کی عمر سے شروع ہو جاتی ہے۔

آج کتنے لوگ ایسے ہیں جو کوشش و جہاد کرتے ہیں۔ یہ جہاد قیامت تک رہے گا۔ جو جہاد چھوڑ دیتا ہے، ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ جیسے ہی مسلمانوں میں جہاد کی روح کمزور ہوئی، انگریزوں نے قبضہ کر لیا، افغانستان میں روسی قابض ہو گئے۔

مسجدیں آباد کرنا، بچوں کو نماز کی طرف لانا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور مجلس ذکر میں آنا، کوشش و جہاد ہے۔ یہ سعادت اللہ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ

ع ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا مکافاتِ عمل ہے۔ جو کوئی بوئے گا وہی کاٹے گا۔ درخت اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔ آپ جا سکتے ہیں۔ آپ کو نیک و بد دونوں کام کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے مطابق آپ کو جزا و سزا ملے گی۔

ذرا غور فرمائیں کہ ہمارے خاندان کے نانا دادا تھے، اب نہیں ہیں۔ اسی طرح آج ہم ہیں کل نہیں ہوں گے۔ اس لئے ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا ہو گا۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کثرت سے ذکر اللہ کریں۔ خود نماز پڑھیں، بچوں اور گھر والوں کو نمازی بنائیں، رزق حلال کے لئے کوشش کریں، رزق حلال طیب ہے اللہ کو پسند ہے اس کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں۔ اگر کمائی حلال کی نہیں ہے تو تمام عبادات نماز، روزہ، حج زکوٰۃ مردود ہو جائے گا۔

آج ہم نے اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ لیا ہے۔ رات کو تہجد پڑھنے کی بجائے انگریزوں کی طرح شراب نوشی، ڈانس، ڈراموں میں گزارتے ہیں۔ دولت محبوب، دولت مطلوب اور دولت ہی مقصود ہو گئی ہے اور یہی چیز ہمیں تباہی کی طرف لے گئی ہے ——— حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ مجھے اپنی امت سے تنگدستی کا خطرہ نہیں۔ مال کی زیادتی اور فراوانی ان کو تباہ و برباد کر دے گی

آج عرب، ایران، عراق کے پاس دولت کی فراوانی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ و تعلق ٹوٹ جانے کی وجہ سے آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ سب پریشان حال ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور جہاد سے غفلت اور منہ موڑنے کی سزا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اخلاق کو سنوارا، روحانی ترقی کی روح بیدار کی۔ لوگوں میں ایثار محبت اور جہاد کا جذبہ پیدا کیا آج ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم کتنے اخلاق والے ہیں۔ کتنے بیواؤں اور یتیموں کا حق ادا کرتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے نمازی ہیں، کتنے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ مبارک میں اتنا عشر و زکوٰۃ اکٹھا ہوتا تھا کہ قرب و جوار میں تقسیم کرنے سے بھی بچ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بیت المال سے شادیاں بھی ہونے لگیں۔

جب ہم احکام خداوندی پر عمل کرتے تھے رحمت برستی تھی ـــ سکون و اطمینان تھا۔ آج ہم نے اللہ کے دین کو چھوڑا، حضورؐ کے اخلاق کو چھوڑا لعنت برسنا شروع ہو گئی۔ لعنت، اللہ کی رحمت سے دوری کا نام ہے، بے چینی و بے اطمینانی بڑھ گئی۔ ہماری تباہی کا اصل باعث روحانی کمزوری ہے۔

آج ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم مسجدوں کو آباد کریں، اللہ والوں کی صحبت اختیار کریں، اللہ کے نبیؐ کے اخلاق کو اپنائیں، رزق حلال کے لئے سعی و کوشش کریں۔ بچوں کو نمازی بنائیں اور کثرت سے ذکر اللہ کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ : اداریہ

کا ذکر کیا ہے، اس کی ضبطی اور اس کے مصنف کے خلاف "بزرگان دین" کے اجارہ دار کیا اقدام کرتے ہیں۔ اس کا مستقبل میں پتہ چلے گا اور دنیا کو اندازہ ہو جائے گا کہ تاریخ تصوف کے خلاف ہنگامہ کے پس پردہ اور ہی محرکات ہیں۔ بزرگانِ دین کی توہین کا کوئی پہلو اس میں نہیں۔ کیونکہ اس کے فاضل مصنف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ایک مستند عالم اور خود صاحب دل مسلمان ہیں اور ان کے دل میں بزرگانِ دین کا جتنا احترام ہے اس کا اندازہ ان کی کتاب کے مندرجات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ

ضد اور تعصب سے بچائے

علوی

انتقال پُر ملال

محترم جناب قاری عبدالقیوم صاحب جامعہ صدیقیہ تجوید القرآن کے والد بزرگوار اور مدرسہ مصباح العلوم فیض باغ کے مہتمم قاری شجاعت احمد صاحب گذشتہ دنوں انتقال کر گئے۔

قاری عبدالقیوم صاحب کے والد بزرگوار حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ کے دیرینہ جانثاروں میں سے تھے جبکہ قاری شجاعت احمد صاحب حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے خصوصی تلمیذ۔ دارالعلوم دیوبند کی مسجد کے ۱۵ سالہ امام اور لاہور کے قدیم اساتذہ میں سے تھے۔ صاحب صلاح و تقویٰ، قرآن کے عاشق زار اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

ادارہ ہر دو حضرات کے سانحہ ارتحال پر ان کے لواحقین کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے

(ادارہ)

اوقاتِ ملاقات

حکیم آزاد شیرازی

روزانہ بارہ بجے دوپہر تا ۴ بجے سہ پہر
جمعرات کو ملاقات نہیں ہو سکتی۔

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

سیرتِ نبویؐ قرآنی

دعوتِ اسلام ـــ اور ـــ اہلِ کتاب

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم العالیہ

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ؛ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :ـــ

قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم الّا نعبد الا اللہ ۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

محترم حضرات! آپ نے سماعت فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی دعوتِ ایمان کے مقابلہ میں کفار و مشرکین نے کیا رویّہ اختیار کیا؟ مکّی سورتوں میں بکثرت انہی کا ذکر ہے اور علماء کا کہنا ہے کہ "المشرکین" کا لفظ ہو یا "الذین اشرکوا" اور "الذین کفروا" ہو یا "الکفار" یا "الکافرون" حتّٰی کہ مطلقاً "الناس" ہو سب سے مراد وہی کفار و مشرکین ہیں۔ مدنی سورتوں میں انداز بدل کر یوں ہو جاتا ہے۔ اہل الکتاب یا ـــ الذین اوتوا الکتاب ـــ اور اس سے مراد مطلقاً یہود و نصاریٰ ہیں۔ مدینہ طیبہ کی زندگی میں بالعموم انہی سے سابقہ پڑا بلکہ دونوں میں سے یہود سے زیادہ اور کبھی کبھار نصاریٰ سے بھی۔ مکّی دشمنانِ اسلام کا ردِ عمل ان کے اعتراضات اور نوعیت کے تھے یہاں انداز دوسرا ہے۔

صلح و آشتی کی دعوت

قرآن عزیز نے ان اہل کتاب کو بار بار اسی طرح کی دعوت دی جو انہیں قابل قبول ہو اور ان کے پاس آئی ہوئی آسمانی ہدایات کے مطابق ہو اور یہ بات اس لئے بھی مناسب تھی کہ تمام انبیا کی دعوت کے بنیادی نکات یکساں تھے۔ ملاحظہ فرمائیں آیت مندرجہ سورۂ آل عمران کا ترجمہ :-

"آپ کہہ دیجیئے کہ اہل کتاب! ایسے قول کی طرف آ جاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) رب اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ٹھہرائے۔"

پھر حضور علیہ السلام نے قرآن کی زبان میں بار بار انہیں سمجھایا کہ جو کتاب میں لے کر آیا ہوں وہ کوئی نئی بات نہیں۔ میرے ذریعہ آنے والی کتاب تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اس سے تمہارا اختلاف و اعراض پسندیدہ نہیں۔ ایسی آیات کہیں کتاب سے متعلق ہیں کہ وہ تمہاری کتابوں کی "مصدِّق" ہے تو کہیں خود رسولِ اعظمؐ سے متعلق ـــ البقرہ، المائدہ وغیرہ میں ایسی آیات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں ـــ علاوہ ازیں قرآن نے سابقہ آسمانی کتابوں کے نام لے کر ذکر کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں اور اپنے مخاطبین کے لئے سرمایہ ہدایت۔ آل عمران، بنی اسرائیل، المائدہ، ہود، احقاف وغیرہ میں بکثرت آپ ایسی آیتیں دیکھ سکیں گے۔

ردِّ عمل

اس رواداری اور مصالحت کوشی

کا جواب غیر دوستانہ رویہ کی شکل میں سامنے آیا اور برابر۔ لیکن اس میں تعجب نہ تھا کیونکہ ان کی طبیعتیں ایک عرصہ کے بگاڑ کے سبب مسخ ہو چکی تھیں۔ عقائد و اعمال کا معاملہ دگرگوں ہو چکا تھا اور انہیں دعوتِ اسلام سے ایک طرح کی چڑ ہو گئی تھی۔ یہود کا لفظ ایک مذہبی اصطلاح ہے ان کا قومی نام بنی اسرائیل تھا، اور انہیں اپنی "عالی نسبی" پر بڑا غرور تھا۔ گناہ کا ہر انداز بلا خوف و خطر اختیار کر لیتے اور خیال یہ تھا کہ ہم بخشے تو جائیں گے اس لئے کہ پیغمبروں کی اولاد ہیں — یہ جاہلیت ہمارے معاشرہ میں بھی ہے قرآن نے اس منظر کو یوں بیان کیا ہے:۔

"یہ لوگ دنیائے دنی کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور ہو جائے گی۔" (الاعراف)

"جہنّم کی آگ اوّل تو ہم کو چھوئے گی نہیں — ایسا ہوا تو محض چند دن کا سودا ہوگا۔" (البقرہ۔آل عمران)

قرآن نے کہا کہ یہ سب اس لئے تھا کہ:

"انہوں نے از خود عقیدے گھڑ لئے تھے۔" (آل عمران)

مذہبی پیشوائیت

ایک خرابی پیدا ہوتی ہے تو پھر اور کئی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اپنے علماء و مشائخ کی تنظیم و تکریم کا یہ حال تھا کہ انہیں عملاً پرستش کا درجہ دے رکھا اور غلطی سے انہیں ماورار سمجھتے — التوبہ میں ہے:

"ان لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور مشائخ کو بھی خدا بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔"

پھر وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو کر آسمانی بادشاہت یعنی جنت میں اپنے سوا کسی کے داخلہ کے سوا کسی کے قائل ہی نہ تھے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کو نقل کیا اور فرمایا کہ "اس کی سچائی پر کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔"

اور اسی سورۃ میں رسول کی زبان سے انہیں کہلوایا کہ اگر یہ زعم درست ہے تو موت کی تمنا کرو۔ جس کے بعد آسمانی بادشاہت نصیب ہوتی ہے لیکن خدا نے ساتھ ہی فرما دیا کہ اپنی کرتوتوں کے سبب یہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔

قلب و نظر کی بندش

اس سے بڑھ کر کوئی نامرادی نہ تھی کہ قبول حق سے ان کی آنکھیں اور دل بند ہو گئے تھے لیکن اس کا انہیں احساس نہ تھا بلکہ وہ اس پر فخر کرتے (البقرہ) بات آگے بڑھی تو اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہنا شروع کر دیا۔ (المائدہ) جس رسول کی آمد کے منتظر تھے۔ وہ آیا تو اس کی پہچان سے انکار کر دیا۔ (البقرہ) حالانکہ اس رسول کی پہچان ان کے لئے اپنی اولاد کی طرح آسان تھی (البقرہ) جب یہ حالت ہو گئی تو اس کے اکابر حرام خوری اور ذخیرہ اندوزی میں مبتلا ہو گئے (التوبہ)

اور جیسا کہ آپ نے سنا کہ خدا نے انہیں چیلنج دیا کہ اگر تمہارے ایسے دعوے ہیں تو موت کی تمنا کرو لیکن اس کا سوال کیسے پیدا ہو؟ سورۂ جمعہ کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ضمیر کے جرائم کا انہیں اندازہ تھا اس لئے سورۂ بقرہ کے بقول وہ طول حیات کے متمنی تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت یہاں گذر سکے۔

آخر ایسا کیوں؟

جب ہم قرآن سے سوال کرتے ہیں کہ ایسا کیوں تھا تو البقرہ میں جواب ملتا ہے کہ اس کا سبب صرف اور صرف نفسانیت کا غلبہ تھا۔ یہ غلبہ نفسانیت آخر میں حسد و عناد کی شکل میں سامنے آیا۔ مسلمانوں کی ایمان سے محرومی

اور آبائی طریقوں کی طرف پلٹ آنا ان کی خواہش بن گئی (البقرہ) حتیٰ کہ وہ اس بات پر حسد کرنے لگے کہ نبوّت ہمارے گھرانے سے نکل کر بنی اسمٰعیل کو کیوں ملی؟ (النساء) جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو آسمانی صحیفے جو ان کے پاس تھے ان میں تبدیلی و تحریف کا دھندا شروع کر دیا۔ البقرہ میں اس بدتمیزی کا ذکر ہے اور خدا نے اس پر انہیں جہنم و ہلاکت کی وعید سنائی ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ دنیوی منافع کے لئے تھا۔ کتابوں میں تبدیلی و تحریف کے ضمن ان کی جسارتیں آل عمران، النساء، مائدہ میں جگہ جگہ ذکر کی گئیں اور خدائی غیرت جوش میں آئی اور اس ناروا رویہ پر انہیں مستحق لعنت و ملامت سمجھا گیا۔ حتیٰ کہ اب وہ من پسندی پر اتر آئے کہ یہ مان لو اور یہ نہ مانو (المائدہ) اور اس سے آگے بڑھ کر خدا کی طرف جھوٹ منسوب کرنے لگے اس لئے خدا نے ان اکثرکم لفاسقون۔ کہ اکثر نافرمان ہیں — حرام خوری اور زر اندوزی کا آپ نے سنا۔ اس مزید تفصیل المائدہ میں ہے اور قرآن نے بتلایا کہ بڑے چھوٹوں کو کیسے رسے گئے وہ خود اس میں بھی

کا شکار تھے۔ اور جب امراض کا ہجوم ہو گیا تو اب ان کی سرکشی برابر بڑھتی گئی۔ اور کوئی دعوت، فہمائش ان پر اثر انداز نہ ہوئی۔ (المائدہ)

مزید سمجھانے کی سبیل

چونکہ یہ اقوام بنیادی طور پر توحید پرست تھیں اس لئے ایک بار پھر اللہ تعالےٰ نے اسے سمجھایا کہ دین میں ناحق غلو نہ کرو — (المائدہ) لیکن افسوس کہ کوئی بات اثر انداز نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں کے بجائے کافروں سے دوستی کا دھندا شروع کر دیا اور مسلمانوں پر مشرکوں کو ترجیح دینے لگے — (النساء) خدا نے اعلان کیا کہ یہود و مشرکین مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں ان پر ہدایت کی راہ بند ہو گئی (المائدہ) یہ بغض و عداوت ایسی بڑھی کہ اپنی مجالس میں رسولِ اعظمؐ سے متعلق اور قرآن سے متعلق بدتمیزی کے کلمات ذکر کرنے لگے۔ (النساء)

اور ایک طبقہ ایسے شرفاء کا بھی تھا کہ دین اسلام میں شکوک و ارتیاب پیدا کرنے کی غرض سے اپنے ہوا خواہوں کو تلقین کرتے کہ تم ایک وقت اسلام قبول کر لو۔ چند سے بعد اعلان کر دو کہ ہم تو بہت کچھ سوچ کر آئے تھے لیکن یہ دین درست نہیں۔ خداوند قدوس نے سورہ آل عمران میں ان کی اس شیطنت کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

بنی اسمٰعیل سے پیغمبر کیوں؟

آپ نے سنا کہ وہ نبوّت بنی اسرائیل کا حق سمجھتے یہ بات سورۂ آل عمران میں بھی ہے اور اللہ تعالےٰ نے یہ بھی بتلایا کہ ایک طویل وقفہ کے بعد نبی کا دنیا میں آنا اتمامِ حجت کے لئے تھا کہ کل یوں نہ کہا جائے کہ ہمارے پاس کوئی نہ آیا تھا (المائدہ) نصرانیوں کا معاملہ اور بڑھا، انہوں نے سرکارؐ کو دعوت مباہلہ دے دی لیکن ہمت نہ کر سکے۔ (آل عمران) اور رسولؐ کی آمد اس لئے بھی ہے کہ آسمانی تعلیم میں تمہاری چوری تحریف اور کتر بیونت کا سدِ باب ہو جائے۔ (المائدہ) کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہی آخری رسول ہیں اور ان سے بازی جیتنا تو کجا ہماری تباہی یقینی ہو گی لیکن اس کے باوجود ضد و عناد کے سبب سچائی تسلیم نہ کر سکے — نصرانیوں کا ایک طبقہ ایسا ضرور تھا جو یہود کے برعکس نرم رویہ اختیار کئے ہوئے تھا اور بعد میں اسلام قبول بھی کر لیا۔ قرآن کی معتدل تعلیم نے اس کو سراہا۔ (المائدہ) اور فرمایا منهم امّة مقتصدة — ایک

جماعت ان میں راہ راست پر چلنے والی ہے اور اللہ کی آیات کی تلاوت اور اوقات شب میں نماز کی ادائیگی ان کا شیوہ ہے (آل عمران) انتہا یہ کہ اسی آل عمران میں ان گنے چنے یہودیوں کا ذکر کر دیا جو اپنی سلامت روی اور خطرات کی درستگی کے پیش نظر ایمان لائے ــــ اور یہ اعجاز ہے قرآن عزیز کا کہ وہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہیں کرتا تو کسی کی دشمنی کی بنا پر تجاوز سے نہیں گذرتا بلکہ ہر حال میں اعتدال و وسط کی بات کہتا اور اسی کی اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔ کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ــــ اور اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی ــــ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا خیرالامور اوسطھا۔ اپنے کام اور معاملات وہی ہیں جن میں وسط و اعتدال ہو ــــ آپ نے جہاں اہل کتاب کی دین دشمنی، پیغمبر اسلام علیہ السلام سے مخالفت و عداوت کا ذکر سنا وہاں یہ سبق بھی پلے باندھ لے کہ آپ امت وسط ہیں۔ آپ کا فرض وسط و اعتدال ہے۔ اسی پر خیر و بھلائی کے نتیجے مرتب ہوتے ہیں اور غلو، افراط و تفریط وہ مکروہ چیزیں ہیں جن سے بڑی بڑی اقوام تباہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے اور دین قیم پر عمل کی توفیق ہو ــــ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مسجد اقصیٰ

○ مسجد اقصیٰ میں ایک یہودی فوجی غنڈے کی اسرائیلی حکومت کی شہ پر فائرنگ عالمی امن کے لئے زبردست خطرہ ہے۔

○ اسرائیل اور اس کے حمائتیوں اور سرپرستوں کے معاملہ میں واضح اور دو ٹوک پالیسی کا تعیّن عالمِ اسلام کا فرض ہے۔

○ ان مسائل کا حل صرف "جہاد" سے ممکن ہے اس کے لئے عالم اسلام کے ہر بالغ نوجوان کو بھرپور فوجی ٹریننگ دینا اور اسلحہ کی صنعت میں خود کفالت ضروری ہے۔

○ وقت آگیا ہے، کہ امّت مسلمہ سادگی اور بہادری کا شیوہ اختیار کرے دشمن کے مقابل سیسہ پلائی دیوار بنے، اپنی صفوں گھسنے ہوئے منافقین کو پہچانے اور دشمن کا قلع قمع کرنے کے لئے سربکف میدانِ عمل میں نکل آئے

(س۔ ر)

معرکہ بالاکوٹ اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد آزادیٔ ہند کے لیے تیسری سب سے بڑی منظم اور موثر تحریک "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس خونچکاں جدوجہد کی بے مثال منصوبہ بندی کا سہرا بھی تاریخی روایات کے مطابق علمائے حق کے سر ہی تھا۔ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو غیر منقسم برصغیر کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ آج بھی آزادی کی تڑپ دکھنے والے حریت پسند سوچتے ہیں کہ..........

(ابوضیا اقبال)

اگر ریشمی رومال افغانستان پہنچ جاتا

بیسویں صدی کا حیدر آباد (سندھ) ہے قدیم طرز کے مکان میں ایک شخص پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس سوئی دھاگہ لیے ایک زرد رنگ کا رومال جس کی لمبائی ایک گز ہے اور عرض بھی اتنا ہی ہے گدڑی میں سی رہا ہے۔ وضع قطع اور صورت شکل سے درویش نظر آتا ہے اچانک ایک دھماکہ سا ہوتا ہے وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ چند گورے اور سکھ فوجی صحن کی دیواریں پھاند کر اس کی طرف لپکے آرہے ہیں۔ وہ گدڑی اٹھا کر کمرے کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگنے لگتا ہے لیکن فوجی سر پر پہنچ جاتے ہیں اور اس سے گدڑی چھین لیتے ہیں۔ وہ شخص ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور صحن میں پہنچ کر دیوار پھاند لیتا ہے۔ چند فوجی اس کے پیچھے جاتے ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد ہاتھ ملتے لوٹ آتے ہیں۔

یہ درویش آزادیٔ ہند کی انقلابی پارٹی کے سرگرم اور سرفروش رکن اور پارٹی کے قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے قابل اعتماد پیروکار شیخ عبدالرحیم تھے اچاریہ کرپلانی کے حقیقی بھائی اور مولانا عبیداللہ سندھی کے ہاتھ پر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

پارٹی کا مرکزی دفتر پہلے دیوبند میں تھا بعد میں دہلی میں منتقل ہوگیا۔ تحریک کا نام، جس کی بنا پر پارٹی تشکیل دی گئی تھی۔ پہلے ثمرۃ التربیۃ اور پھر جمعیۃ الانصار رکھا گیا تھا اس کا پروگرام یہ تھا۔ کہ حکومت وقت کے خلاف ملک بھر میں عام بغاوت کرائی جائے اور ساتھ ہی شمال مغربی سرحد کی طرف سے قبائل اور ترکی کی فوج سے حملہ کرایا جائے اس طرح ملک کی فرنگی استبداد سے آزاد کرانا تھا۔ منصوبے کے مطابق ترکی کی فوج کو افغانستان کے راستے حملہ آور ہونا تھا اس لیے افغانستان کی حکومت کو بھی جس کا سربراہ حبیب اللہ خان تھا، ہموار کرنا تھا۔ ترکی سے یہ طے کیا جا رہا تھا کہ اس کی فوج ہندوستان کو آزاد کرا کے لوٹ جائے گی۔ اس مدد کے عوض آزاد ہندوستان اس کی اخلاقی اور مالی امداد کرتا رہے گا۔ ترکی کے حکمران غازی انور پاشا تھے۔

اس طریقۂ کار پر عمل کرنے کے لیے دس جامع منصوبے ۱۹۰۵ء میں بنائے گئے تھے ان کی تکمیل ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ منصوبے یہ تھے۔ ہندو مسلم مکمل اتحاد، علمائے فکر قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اشتراک فکر و عمل، اقوام عالم سے اخلاقی مدد کا حصول، جنگی نقشوں کی تیاری، انقلاب کے بعد عبوری حکومت کے خاکے کی ترتیب، بغاوت کے خفیہ مرکزوں کا قیام، بیرون ملک امدادی مراکز کا تعین، ترکی کی حمایت کے لیے دوسرے ملکوں سے رابطہ، باہر سے حملے کے لیے راستوں کی نشاندہی، بیک وقت بغاوت اور حملے کے لیے تاریخ کا تعین۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے معرکۂ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء اور

انقلاب ۱۸۵۷ء کے خونچکاں اقدامات کے بعد یہ تیسری سرفروشانہ تحریک تھی۔ جو تحریک ریشمی رومال کے نام سے تاریخ کے صفحوں پر انمٹ نقوش چھوڑ گئی۔ پہلی تحریک مسلمانوں کے جاہلانہ تغافل سے ناکام ہوتی۔ لیکن دوسری اور تیسری تحریکیں ان کے مجرمانہ عدم تعاون اور کھلے بندوں غداری سے ملیامیٹ ہوئیں۔ یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ تینوں تحریکوں میں بنیادی اور مرکزی کردار علمائے حق نے ادا کیے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں عام مسلمانوں کا زیادہ حصہ ہے لیکن دوسری دونوں تحریکوں کا سہرا تمام تر علمائے حق کے سر ہے۔

تحریک ریشمی رومال کی کامیابی اپنوں کی متوقع غداری اور انگریزوں کے طے شدہ حفظِ ماتقدم کے باوجود یقینی تھی۔ وجہ یہ کہ بیرونی امداد کے امکانات دسترس میں تھے ۱۸۵۸ء میں سامراجیت کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے براہ راست حکومتِ برطانیہ کے ہاتھ میں منتقل کے بعد خارجی انگریز دشمنی کے دور کا آغاز ہو چلا تھا۔ بعید نہ تھا کہ یہ خارجی نیک فال داخلی جدوجہد کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتا۔ برطانیہ کی توسیع پسندی کے پیشِ نظر ۱۸۵۰ء میں دوار آف بھوٹان پر قبضہ کیا گیا اور برما کے شمالی حصہ کو فتح کرکے سلطنت میں شامل کیا گیا ۱۸۶۸ء میں تبت اور چین پر حملہ کیا گیا اور سرحد کے مجاہدین پر فوج کشی ہوئی ۱۸۸۵ء میں کابل پر حملہ کیا گیا ۱۸۹۰ء میں حکومت منی پور پر تسلط کیا گیا ۱۸۹۵ء میں چترال پر قبضہ ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں تیراہ پر حملہ کیا گیا۔ ۱۸۹۷ء میں دوبارہ سرحدی مجاہدین کے خلاف چھ مہمیں بھیجی گئیں۔

بیرونی امداد کے سلسلے میں حکومتِ ترکی سے توقع کسی خوش فہمی اور جذباتیت کی بنا پر نہیں تھی۔ اس کے پس منظر میں ٹھوس حقائق اور دلائل تھے۔ ترکی برطانیہ کا زخم خوردہ تھا اگر مذہب اور حریت پسندی ہندوستان اور ترکی میں قدرِ مشترک نہ ہوتی تب بھی سیاسی طور پر ترکی کی طرف سے مدد لازمی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے سلطان عبدالمجید خان کو محمد علی پاشا کی بغاوت کے خلاف مدد دی اور اس کے عوض میں پہلے عدن کی بندرگاہ اور پھر سارے عدن پر قبضہ کرلیا۔ اس قبضے کی وجہ سے آنے والے برسوں میں جو نتائج نکلے وہ تصور میں لائے جا سکتے ہیں۔ اس مدد کا سارا خرچ (بیس لاکھ پونڈ) ہندوستان کے ذمہ قرض کے طور پر ڈالا گیا) ۱۸۷۸ء میں باب علی سلطان عبدالمجید خاں سے خفیہ معاہدہ کرکے جزیرہ قبرص قبضے میں کیا گیا اس کے بھی دور رس نتائج نکلے۔ اسی سال برلن میں یورپی ملکوں کی کانفرنس ہوئی جس میں ترکی کے حصے بخرے کرکے آپس میں بانٹ لیے گئے۔ برطانیہ بھی حصے دار بنا ۱۸۵۸ء میں رومانیہ، بلغاریہ کریٹ، سرویا، مولڈویا، ولاچیا، ابوسینا مونٹی نیگرو۔ اور ارضی گونیا کو ترکی کے قبضے سے نکلوا دیا ۱۹۰۴ء میں برطانیہ کی شہ پر فرانس نے مراکش پر قبضہ کرلیا۔

۱۹۰۸ء میں ترکی میں فوجی انقلاب رونما ہوا۔ یہ انقلاب فوجیوں کی تنظیم "اتحاد المسلمین" نے برپا کیا تھا جس کے قائد غازی انور پاشا تھے۔ بعد میں یہی حکومت کے سربراہ بنے۔ ۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں ہندوستان کی حریت پسند تحریکوں نے ترکی کی جو اخلاقی اور مالی مدد کی تھی۔ اسے انور پاشا بھولے نہیں تھے۔ اسی لیے تحریک ریشمی رومال کو ترکی کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی مدد غیر متوقع نہیں تھی۔

تحریک کے پہلے دو منصوبوں کے لیے فضا پہلے ہی سازگار تھی۔ ہندو اور مسلمان حریت پسندوں میں ذہنی ہم آہنگی اور اشتراک عمل کا جذبہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے وقت ہی سے پیدا ہو چکا تھا اور اس کا مظاہرہ بار بار خصوصاً ۱۸۵۷ء میں اور اس کے بعد ہو چکا تھا تحریک کے عملی قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اور راجہ مہندر پرتاپ تھے لیکن اس کے قیام اور ساری منصوبہ بندی میں جن شخصیتوں کا ہاتھ تھا ان میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ مولانا شوکت علیؒ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبیداللہ سندھی، مسٹر گاندھی، ڈاکٹر انصاری موتی لال نہرو، لاجپت رائے اور راجندر پرشاد شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب نے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک کھیپ مہیا کر دی تھی جن کے دلوں میں حریت کی چنگاریاں سُلگ رہی تھیں اور ذہن جدید طبیعاتی تقاضوں سے روشن تھے ان نوجوانوں میں جن

لوگوں کو اہم فرائض سونپے گئے، ان میں پروفیسر برکت اللہ ایم اے (انگریزی) تھے۔ جنہیں ترکی، جرمنی اور جاپانی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ چوہدری رحمت علی گریجوایٹ لالہ ہردیال ایم اے، کامریڈ متھرا سنگھ گریجوایٹ مولوی محمد علی قصوری گریجوایٹ، میاں عبدالباری ایم اے، رام چندر گریجوایٹ، بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے اور چینی زبان میں ماہر بنگال کے شوکت علی گریجوایٹ وغیرہ شامل تھے۔

تیسرے منصوبے کے تحت چین جاپان فرانس، برما اور امریکہ میں کام شروع کیا گیا اس کے لیے مشنری طریقۂ کار اپنایا گیا۔ پہلا مشن دیوبند سے فارغ التحصیل مولانا مقبول الرحمٰن سرحدی اور شوکت علی کی سرکردگی میں چین بھیجا گیا جس میں چھ اور افراد بھی شامل تھے مشن میں ہندو ارکان بھی تھے لیکن چین میں ایک مرکزی سیرت کمیٹی قائم کرکے ملک بھر میں اس کی شاخیں کھول دی گئیں اردو اور چینی زبانوں میں ایک رسالۂ الیقین جاری کیا گیا۔ ان کاموں میں مشن کو بڑی کامیابی ہوئی۔ چینی مسلمانوں کی خاصی تعداد ہندوستان کی صورتِ حال سے متاثر ہوئی اور انگریز سامراجیت سے چھٹکارا دلانے میں ہر ممکن اخلاقی مدد کا وعدہ کیا۔ ہر چند کہ چینی عوام خود ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے تھے حکومت کی سطح پر کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا کیونکہ ملک پر سامراجیت کے دوسرے روپ شہنشاہیت اور جاگیرداری کا تسلط تھا۔ مشن نے اپنے اخراجات اس طرح پورے کیے کہ ایک شفاخانہ کھول لیا۔ مولانا مقبول الرحمٰن طبابت اور شوکت علی ڈاکٹری کرتے تھے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۹ء تک چین میں کام کرنے کے بعد دونوں صاحبان کو برما جانے کا حکم ملا۔ مشن کے تین ارکان کو چین میں کام کی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا شفا خانے کو فروخت کرکے ان کے گزارے کے لیے رقم دی گئی اور سفر خرچ بھی نکالا گیا۔ ایک آدمی کو واپس ہندوستان بھیجا گیا اور چار آدمی جن میں دو ہندو تھے برما پہنچے وہاں کپڑے کا کاروبار شروع کیا گیا جس میں کافی منافع ہوا برما میں مذہبی طریقۂ کار اپنانے سے کامیابی کی کوئی صورت نہ آتی تھی لہٰذا انسانی رشتے کو مقصد کو حصول بنایا گیا اور انسانی برادری کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس کا نصب العین انسانی فلاح و بہبود بتایا گیا۔ مولانا مقبول الرحمٰن نے عربی زبان میں ایک کتاب 'الانسان' لکھی اس کا انگریزی اور برمی زبانوں میں شوکت علی نے ترجمہ کیا۔ مشن ۱۹۱۶ء تک بڑی کامیابی سے اپنا کام کرتا رہا۔ اس نے ہزاروں افراد کو ہندوستان کے انسانی مسائل سمجھنے پر آمادہ کیا ہندوستانیوں کی اخلاقی مدد کے لیے ایک مخلص حلقہ پیدا ہو گیا شومیٔ قسمت سے ۱۹۱۶ء میں تحریک ناکام ہوگئی۔ شوکت علی اور دونوں ہندو اراکین ہندوستان چلے گئے اور مولانا مقبول الرحمٰن رنگون جا پہنچے (شوکت علی ہندوستان سے فرار ہو کر برلن چلے گئے اور مولانا مقبول الرحمٰن ۱۸۲۳ء میں وطن لوٹے)

دوسرا مشن جاپان بھیجا گیا اس میں پانچ آدمی تھے اور قائد پروفیسر برکت اللہ تھے۔ انگریزی، ترکی، جرمنی زبانوں کے علاوہ جاپانی زبان میں بھی مہارت رکھنے کی وجہ سے انہیں ٹوکیو کے ایک کالج میں پروفیسری مل گئی۔ مشن نے اسلامک فریٹرنٹی کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی اور اسی نام سے انگریزی اور جاپانی زبانوں میں رسالہ نکالا جس کے مدیر پروفیسر صاحب تھے ترکی کی طرح جاپان سے بھی بھرپور مدد کی توقع تھی کیونکہ جاپان برطانیہ کا سخت مخالف تھا۔ اسی مخالفت کی بنا پہ اس نے دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ پہ حملہ کیا تھا۔ مشن کو یہاں کامیابی سے ہمکنار ہوتا دیکھ کر ۱۹۱۰ء میں پروفیسر برکت اللہ کو چوہدری رحمت علی کی مدد کے لیے فرانس جانے کا حکم ملا جہاں چوہدری صاحب کی سرکردگی میں تیسرا مشن کام کر رہا تھا۔ پروفیسر صاحب نے ملازمت چھوڑ دی اخبار بند کر دیا۔ اور ایک ساتھی کو لے کر فرانس کی طرف روانہ ہوئے۔

فرانس کے مشن میں چوہدری رحمت علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان میں ایک گریجوایٹ رام چندر نہایت قابل نوجوان تھا۔ پروفیسر برکت اللہ نے انگریزی زبان میں ایک اخبار "انقلاب" جاری کیا اور تندہی سے کام کرنے لگے۔ یہ اخبار مشن کی تشکیل کردہ 'غدر پارٹی' کا ترجمان تھا۔ رولٹ رپورٹ میں اخبار کا نام بھی 'غدر' لکھا گیا ہے جو غلط ہے فرانس میں چھ سال تک کام ہوتا رہا عوامی سطح پر 'غدر پارٹی' کی

بہت حوصلہ افزائی کی گئی۔ اخلاقی مدد کے بھی روشن امکانات تھے لیکن حکومت کی طرف سے کوئی امید نہیں تھی جو کچھ حاصل ہُوا اسی پر اکتفا کر کے پروفیسر برکت اللہؒ اور چوہدری رحمت علی کو امریکہ جانیکا حکم ملا۔

امریکہ میں لالہ ہردیال کی سربراہی میں چھ آدمیوں پر مشتمل مشن کام کر رہا تھا پروفیسر صاحب اور چوہدری صاحب کی شمولیت سے تعداد آٹھ ہوگئی یہاں بھی "غدر پارٹی" کام کر رہی تھی ان دونوں حضرات کے آنے کے بعد پروفیسر صاحب کی ادارت میں "غدر" نام سے ایک اخبار نکالا گیا در اصل واشنگٹن کے اسی اخبار کا مغالطہ رولٹ کمیٹی کو ہُوا تھا چوہدری رحمت علی کی سکونت تو پیرس میں تھی لیکن وہ واشنگٹن آتے جاتے رہتے تھے اور وہاں کچھ زمین بھی خرید لی تھی انہوں نے اسے بیچ کر ایک ہوٹل کھول لیا اس کے ایک کمرے میں پارٹی کا اور دوسرے کمرے میں اخبار کا دفتر قائم کیا گیا ہوٹل کی آمدنی سے اخراجات پورے ہوتے رہے اور یہ پہلے ہردیال اور پھر چوہدری صاحب کی نگرانی میں چلتا رہا اس کے علاوہ پارٹی والوں نے رنگوں کا کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا اس میں سے آمدنی بھی تھی اور دہلی کے مرکز سے رابطہ بھی قائم تھا۔ دہلی کے چار مسلمان اور تین ہندو، پشاور کے دو مسلمان ایک ہندو، لاہور کے دو مسلمان اور پانچ ہندو، بمبئی کا ایک مسلمان اور چار ہندو، کلکتہ کے چار ہندو ایک مسلمان، ڈھاکہ کے دو ہندو ایک مسلمان اور کراچی کا ایک ہندو ان لوگوں سے مال منگواتے تھے اور کاروبار کی آڑ میں مرکز کو رپورٹیں نہ بھیجی اور ہدایات حاصل کی جاتی تھیں۔ ہندوستان میں تحریک کے ناکام ہونے کی خبر ملی تو ہوٹل فروخت کر دیا گیا اور اخبار بھی بند کر دیا گیا مشن کے اراکین پیرس چلے گئے وہاں سے جینوا اور برلن ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اور وطن آ گئے۔

انقلابیوں کا چوتھا منصوبہ جنگی نقشوں کی تیاری تھا اس منصوبے کو تین شکلیں دی گئیں۔ پہلی شکل تھی۔ بیرونی حملے کے لیے راستوں اور محاذوں کی تفصیلی نشاندہی کرنا حملہ آور فوج کے لیے رسد رسانی اور اس کے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطے اور انقلابی رضا کاروں سے رابطے کے لیے پیغام رسانی کا انتظام کرنا اور حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کے لیے سہولت فراہم کرنا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ سی آئی ڈی کے آدمیوں سے تعاون حاصل کیا جائے۔ اور اس محکمے میں اپنے آدمی داخل کیے جائیں تاکہ حکومت کی پالیسیوں اور اداروں کی خبر ملتی رہے تیسری شکل تھی فوج میں اپنے ہم خیال بنانا اور انقلابی کارکنوں کو فوج میں بھرتی کرانا تاکہ جب حملہ ہو تو دشمن کو سبوتاژ کیا جا سکے۔

پہلا کام مولانا عبیداللہ سندھی کو سونپا گیا اور بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے کو ان کا مددگار بنایا گیا۔ مولانا نے شمال مغربی حصے کے کئی دورے کیے جغرافیائی پوزیشن کا بنظر غائر معائنہ کیا۔ فنون حرب سے آگاہی کے لیے انگریزی، جرمنی، ترکی، فرانسیسی اور عربی زبانوں کی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ کیا قدیم اور جدید طریقوں کو پرکھا اور متواتر سات سال تک کام کرنے کے بعد جنگ اور اس کے محاذوں کا ایک فقید المثال نقشہ تیار کیا۔ ان کے مطالعے سے بعد میں ترکی، جرمنی اور افغان فوجی افسروں نے بھی استفادہ کیا۔ مولانا سے تربیت یافتہ نوجوانوں نے والئ افغانستان امیر امان اللہ خاں اور انگریزوں کے مابین جنگ میں افغان فوج کی ناقابل فراموش رہنمائی کی۔

دوسرے کام کی سربراہی ڈاکٹر انصاری نے انجام دی۔ بہت سے ہندو اور مسلم نوجوان سی آئی ڈی میں گھس گئے۔ اور حکومت کے راز قائدین تحریک تک پہنچاتے رہے۔ تحریک کی ناکامی کے بعد کئی نوجوان پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکائے گئے۔

تیسری شکل کے تحت منتخب نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرایا گیا انہوں نے حب الوطنی سے فوجیوں کو اپنا ہم خیال بنایا بعض پکڑے بھی گئے اور کچھ لوگ تحریک کی ناکامی کے بعد بھی رہے اور پہلی جنگ عظیم کے بعد فوج سے نکل گئے۔ بعض ایسے بھی تھے جو مستقل طور پر فوج میں رہے اور دوسری جنگِ عظیم میں دوسرے افراد کو اپنے ساتھ ملا کر آزاد ہند فوج کے روپ میں سامنے آئے

پانچویں منصوبے کے تحت انقلاب کے بعد قائم ہونے والی عبوری حکومت کا خاکہ یہ بنایا گیا کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیارات کی کونسل ہوگی۔ مسلمان رکن کے لیے۔ شیخ الہند مولانا محمودالحسنؒ کا نام تھا۔ ہندو رکن کا نام

تحقیق طلب ہے (سی آئی ڈی کی رپورٹ میں گاندھی جی بتایا گیا ہے جو غالباً صحیح نہیں ہے)، کونسل کے تحت صدر، وزیر اعظم وزیر مملکت اور ان کے ماتحت کابینہ ہوگی ان عہدیداروں کے لیے مجوزہ افراد علی الترتیب راجہ مہندر پرتاپ، پروفیسر برکت اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی تھے۔ انہی لوگوں نے کابینہ بنانا تھی۔ فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حضرت شیخ الہندؒ کا نام تھا۔ جرنیلوں کی تعداد بارہ رکھی گئی تھی۔

چھٹا منصوبہ بغاوت کے خفیہ مراکز کے قیام کا تھا۔ ہیڈ کوارٹر دہلی میں بنایا گیا اس میں شیخ الہند، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبیداللہ سندھی، ڈاکٹر انصاری گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، لالہ لاجپت رائے اور بابو راجندر پرشاد وغیرہم صفِ اول کے لوگ تھے۔ ہیڈ کوارٹر کے تحت آٹھ شاخیں پانی پت (دہلی کے اضلاع) لاہور (پنجاب)، راندیر (بمبئی) گجرات کاٹھیا واڑ (مہاراشٹر)، کراچی (قلات، لاس بیلہ وغیرہ) اتمان زئی (شمالی سرحد) دین پور (بہاولپور) اور ترنگ زئی (آزاد قبائل) امروٹ (سندھ) میں کام کرتی تھیں۔ ان شاخوں کے امیر علی الترتیب مولانا احمداللہ، مولانا محمد احمد، مولانا محمد ابراہیم، مولانا محمد صادق خان، الفقار خاں، مولانا غلام محمد، مولانا فضل واحد اور مولانا تاج محمود تھے۔ مرکز میں ہندو اراکین کی موجودگی کے باوجود کسی شاخ کا سربراہ ہندو نہیں تھا۔ بعض ذرائع کے مطابق شمال مغربی سرحد اور بنگال میں بھی شاخیں تھیں بنگال میں مولانا ریاض احمد اور شمال مغربی سرحد میں تین علماء کی مشترکہ کمان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چند سال بعد جب آزاد قبائل اور انگریزوں کی خونریز جھڑپیں ہوئی اور انگریز فوج کو پے در پے ہزیمت اُٹھانی پڑی تو یہ اسی کمان کا کارنامہ تھا۔

ساتویں منصوبے یعنی بیرون ملک امدادی مراکز کے قیام کی سمت میں ہیڈ کوارٹر کابل میں تھا یہاں کے سربراہ راجہ مہندر پرتاپ تھے بعد میں مولانا سندھیؒ ان سے جا ملے اور دونوں نے مل کر کام کیا اس ہیڈ کوارٹر کی شاخیں مدینہ منوّرہ، برلن، استنبول، انقرہ اور قسطنطنیہ میں تھیں۔ برلن میں لالہ ہردیال نے نمایاں کام کیا ان کی کوشش سے جرمنی اور ترکی کا پیکٹ ہُوا اور جرمنی ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ کابل کے ہیڈ کوارٹر نے فقید المثال کارنامہ انجام دیا۔ امیر حبیب اللہ اور اس کے لڑکے عنایت اللہ کے دوغلے پن (جو بعد میں غداری پر منتج ہُوا) کے باوجود تحریک کے آدمیوں کو افغانستان کی سیاست میں اتنا دخل عمل حاصل ہو گیا کہ تحریک کی ناکامی کے بعد قائدین کے دوست اور ہمدرد افسروں نے امیر حبیب اللہ خاں کو قتل کروا کر اس کے بیٹے خان امان اللہ کو تخت پر بٹھایا جنہوں نے شروع سے تحریک کی اخلاقی اور مالی مدد کی تھی۔ انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی تحریک کے نظر بند قائدین کو رہا کر کے اپنے مشیر بنا لیے۔ قائدین تحریک ہی کے مشورے سے امان اللہ خاں نے انگریزوں سے دو دو ہاتھ کیے اور ۲۳ / اگست ۱۹۱۹ء کو افغانستان کو مکمل آزاد کروا لیا۔ مولانا سندھیؒ افغانستان میں چوری چھپے داخل ہوئے تھے تو فوج کے سپہ سالار نادر خاں نے قندھار میں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ جب قائدین تحریک کے ایماء پر انگریزوں سے لڑنے کے بارے میں رائے معلوم کرنے کے لیے جرگہ بلایا گیا تو حبیب اللہ خاں اور عنایت اللہ خاں کے سوا سب لوگوں نے لڑائی کے حق میں رائے دی۔ ان میں امان اللہ خاں اور ان کا بھائی نصراللہ خاں پیش پیش تھے۔

آٹھواں منصوبہ یہ تھا کہ برطانیہ اور ترکی کی آویزش میں (وسیع تر مقصد یہ تھا کہ ترکی کے ہندوستان پر حملے کے لیے) بعض ملکوں مثلاً روس، جرمنی، فرانس اور امریکہ کو ترکی کی حمایت پر آمادہ کیا جائے اس ضمن میں کراچی میں اکابرین تحریک کی ایک مجلس مشاورت ہوئی۔ مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ امریکہ ترکی کا ساتھ دے گا کیونکہ وہ خود بھی برطانیہ کا غلام رہ چکا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ امریکہ غیر جانبدار رہے گا۔ لیکن شیخ الہندؒ کا موقف تھا کہ امریکہ برطانیہ کی کھلے بندوں مدد کرے گا! چنانچہ یہی ہُوا بھی۔ تاہم امریکہ اور فرانس کے انصاف پسند لوگوں نے برطانیہ

کے خلاف احتجاج کیا اور تحریک کا مشن کسی حد تک کامیاب رہا۔

روس میں بھی تحریک کا مشن حکومت کی سطح پر ناکام رہا۔ زار نے مشن کے قائدین ڈاکٹر مرزا احمد علی اور متھرا سنگھ کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن تاشقند کے گورنر نے جو تحریک کا گرویدہ بن گیا تھا۔ انہیں گرفتاری سے بچا لیا۔ اس مشن کا تذکرہ روس کے انقلابیوں نے اپنے ایک پمفلٹ میں بھی کیا تھا اور اسے موثر قرار دیا تھا عوامی سطح پر مشن اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ اور روس برطانیہ دوستی خطرے میں پڑ گئی جس کے لیے لارڈ کچنر خود روس پہنچا، البتہ ایک دوسرا مشن جو روس کے راستے جاپان جا رہا تھا، زار کے ہتھے چڑھ گیا بدقسمتی سے متھرا سنگھ جو اس مشن میں بھی شامل تھے۔ اپنے ساتھی عبدالقادر سمیت انگریزوں کے حوالے کر دیئے گئے انگریزوں نے متھرا سنگھ کو پھانسی دے دی اور عبدالقادر کو لمبی قید کی سزا دی۔

بیرونِ ملک تحریک کو صرف جرمنی میں کامیابی حاصل ہوئی۔ راجہ مہندر پرتاپ نے وہاں تین سال رہ کر یہ کارنامہ انجام دیا پروفیسر برکت اللہ اور لالہ ہردیال نے بھی ان کی اعانت کی۔ اس سلسلہ میں جرمنی کے کیپٹن ہنٹس نے بڑی مدد کی وہ محاذ کے معائنہ کے لیے کابل بھی گیا۔ یہ کوششیں بارآور ہوئیں اور جرمنی ترکی کی مدد کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ مطمئن ہو کر راجہ مہندر پرتاپ کابل چلے گئے جہاں مولانا سندھی رح بھی پہنچ گئے۔

نویں منصوبے میں حملے کے لیے راستوں کا تعین کرنا تھا ایران برطانیہ کا حلیف اور ترکی کا دشمن تھا۔ اس لیے وہ راستہ ترک کرنا پڑا دوسرا راستہ افغانستان کے ذریعے تھا۔ امان اللہ خاں اور سول اور فوجی افسروں اور قبائلی کے اٹل فیصلے سے ڈر کر حبیب اللہ خاں راستہ دینے پر آمادہ ہو گیا لیکن انگریز دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے تجویز پیش کی کہ ترکی فوج بعض مخصوص دروں سے گزرے ہم انگریزوں سے کہہ دیں گے کہ وہاں کے قبائلی باغی ہو گئے ہیں اور ہم مجبور ہیں اس کے علاوہ سرکاری فوج جنگ میں حصہ نہ لے۔ البتہ رعایا رضاکارانہ طور پر حصہ لے سکتی ہے دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین میں جس کا پلہ بھاری دیکھوں گا اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔

امان اللہ خاں اور نصراللہ خاں نے قائدینِ تحریک کو سمجھایا کہ اسی پر اکتفا کریں۔ جب ترکی کی فوج ملک میں داخل ہو جائے گی تو ہم اپنے باپ کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیں گے ورنہ اسے راستہ سے ہٹا دیں گے حملہ کے لیے چار محاذ بنائے گئے ہر محاذ پر ایک انقلابی کو نگران مقرر کیا گیا (۱) مولانا محمد صادق کی نگرانی میں قلات اور ملتان کے قبائل کا ترک فوج کی قیادت میں کراچی پر حملہ (۲) حافظ تاج محمود سندھی کی نگرانی میں ترک فوج کی سربراہی میں غزنی اور قندھار کے قبائل کا کوئٹہ پر حملہ (۳) درہ خیبر کے راستے پشاور پر مہمند اور مسعود قبائل کا ترک فوج کی قیادت میں حملہ۔ نگران حاجی ترنگ زئی تھے (۴) اوگی کے محاذ پر ترکی کی فوج کا کوہستانی قبائل کو لے کر حملہ۔ نگران مولانا محمد اسحٰق کی تھی۔

دسویں منصوبے کا مقصد حملے اور بغاوت کی ایک تاریخ مقرر کرنا تھا ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۴ء تک نو منصوبوں کو کامیابی سے عملی جامہ پہنایا گیا اور دسویں پر عمل باقی تھا کہ جنگ عظیم چھڑ گئی یہ انقلابیوں کے لیے سنہری موقع تھا۔ فوراً دیوبند میں مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ بیرونی حملہ اور اندرونی بغاوت ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو ہو۔ مجلس شوریٰ نے اس کی اطلاع تمام شاخوں کو دے دی اور کہا کہ بغاوت کے لیے تیار رہیں لیکن حملے کی تاریخ کے حتمی فیصلے کے لیے دوسری اطلاع کا انتظار کریں۔ شیخ الہند رح کو ایک وثیقہ لکھ کر دیا گیا جس پر مجلس شوریٰ کے اراکین نے دستخط کیے۔ طے کیا گیا، کہ شیخ الہند رح غازی انور پاشا سے بالمشافہ مل کر مجوزہ تاریخ کی منظوری لیں اور تحریک اور حکومت کے مابین نیز حکومت ترکی اور حکومت افغانستان کے درمیان تحریری معاہدہ کرائیں۔ اس دوسرے معاہدہ کے سلسلہ میں انہیں انور پاشا کی تحریر لے کر افغانستان جانا تھا اور اس پر حبیب اللہ خاں سے دستخط لے کر واپس انور پاشا کو پہنچانا تھا۔

شیخ الہند رح نے اپنی جائیداد شرعی قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم کر دی اور حج کا ارادہ ظاہر کر کے روانہ ہو گئے حکومت نے انہیں دہلی میں گرفتار کرنے کا ارادہ کیا لیکن ان کے معتقدین کا ہجوم دیکھ کر بمبئی میں گرفتار کرنے کی ٹھانی۔ ڈاکٹر انصاری نے خفیہ پولیس میں اپنے آدمیوں کی مدد سے اس تار کو ہوم سیکرٹری کے دفتر میں رکوا دیا جو اس مقصد سے گورنر جنرل کی طرف سے بمبئی کے گورنر کو بھیجا جا رہا تھا۔ یہ تار اس وقت ملا جب آپ جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔ چنانچہ عدن کے گورنر کو روانہ کر دیا گیا لیکن وہاں بھی انقلابیوں نے بروقت پہنچنے نہ دیا۔ اور آپ بخیر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اس وقت حجاز ترکی کے زیر حکومت تھا وہاں کے گورنر غالب پاشا، جو انور پاشا کی جنگی کمیٹی کے سیکرٹری بھی تھے۔ انقلابی تحریک کے ہمنوا تھے۔ شیخ الہند رح نے ان سے دو تحریریں لیں۔ ایک میں جہاد کی ترغیب تھی۔ اسے چھپوا کر ہندوستان اور افغانستان میں تقسیم کروانا تھا۔ دوسری تحریر حکومت افغانستان کے نام تھی کہ شیخ الہند رح جو کچھ بھی کہیں گے اسے ہماری تائید حاصل ہے انگریزوں نے اس پہلی تحریر کو غالب نامہ کہا اور اسی کی بنا پر بعد میں غالب پاشا کو گرفتار کر کے جنگی قیدی رکھا انہوں نے بھی اپنی اسی تحریر کا اقرار کیا۔ دوسری کا نام تک نہ لیا۔

شیخ الہند نے "غالب نامہ" مولانا محمد میاں کے حوالے کیا کہ اسے ہندوستان اور افغانستان لے جائیں وہ ہندوستان پہنچے تو سی آئی ڈی پیچھے لگ گئی چنانچہ افغانستان چلے گئے اور اس کی اشاعت کی اسی اثناء میں ریشمی رومال پکڑا گیا اور غالب نامہ بیکار ہو کر رہ گیا۔ غالب پاشا کی دوسری تحریر بھی رائیگاں گئی۔ وہ ریشمی رومال کے پکڑے جانے کے بعد افغانستان پہنچی البتہ اس سے افسروں اور قبائلی سرداروں میں نیا عزم پیدا ہوا اور امان اللہ خاں انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔

شیخ الہند رح اور انور پاشا کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جمال پاشا ان کے ساتھ تھے۔ انور پاشا نے پہلے ان سے تحریر کردہ دونوں معاہدے لے لیے اور واپس چلے گئے ایک ماہ بعد یہ معاہدے شیخ الہند رح کو مدینہ منورہ کے گورنر نے بلا کر دیئے۔ ان پر انور پاشا کے دستخط ثبت تھے۔ اور حملے اور بغاوت کی منظوری بھی تھی دونوں معاہدوں کا مجموعی نام "انور نامہ" رکھا گیا۔ شیخ الہند رح نے تحریک اور حکومت ترکی کے معاہدے کو اپنے پاس رکھ لیا اور افغانستان ترکی معاہدہ مولانا ہادی حسن کو دے کر انہیں بھیج دیا کہ اسے افغانستان پہنچا دیا جائے۔

اس دستاویز کو بھجوانے میں شیخ الہند رح نے غیر معمولی حسن تدبیر سے کام لیا خاص طور سے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا اس کے تختوں کے درمیان اسے اس طرح چھپایا کہ نظر نہ آتا تھا ساتھ ہی بمبئی کے ایک رکن کو پیغام بھجوایا کہ وہ عرشہ جہاز پر ہی مولانا ہادی حسن سے صندوق لے لیں اور اسے فلاں پتے پر پارسل کر دیں۔ جوں ہی جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا وہ رکن عرشہ جہاز پر گئے اور اسے قلیوں سے اٹھوا کر باہر لے گئے اسی وقت اسے مظفر نگر میں حاجی محمد نبی کے پتے پر پارسل کروا دیا۔ سی آئی ڈی نے مولانا ہادی حسن کی تلاشی لی اور انہیں مشتبہ قرار دے کر نینی تال بھجوا دیا جہاں انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔

حاجی محمد نبی کو شیخ الہند رح نے ساری بات کہلوا بھیجی تھی انہوں نے معاہدے کو اپنے پاس رکھا کچھ عرصہ بعد مولانا ہادی حسن رہا ہو کر آئے انہوں نے حلیہ بدل کر اپنا نام ظفر احمد رکھا اور معاہدے کو افغانستان میں پہنچا دیا۔ حبیب اللہ خاں نے اپنے دونوں بیٹوں امان اللہ خاں اور نصراللہ خاں، اور سول، فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں کو آتش زیر پا دیکھا تو طوعاً و کرہاً اس کی منظوری دے دی۔

مولانا عبیداللہ سندھی رح اور نصراللہ خاں نے ایک ماہ تاریخ سے معاہدے کی ساری عبارت جو عربی زبان میں تھی ایک ریشمی رومال پر کڑھوالی۔ اس میں حبیب اللہ خاں اور اس کے تینوں بیٹوں کے دستخط بھی آ گئے رومال کا رنگ زرد تھا۔ اس کی لمبائی، چوڑائی ایک مربع گز تھی اس پر زرد رنگ سے چاروں کے دستخط دوبارہ کروا لیے گئے اس کے بعد رومال کو پشاور بھجوایا گیا۔ یہ فرض شیخ عبدالحق نے انجام دیا جو بنارس کے نومسلم گریجوایٹ تھے اور افغانستان ہندوستان کے درمیان کپڑے

کی تجارت کرتے تھے اسی تجارت کی آڑ میں پیغام رسانی کرتے تھے انہوں نے اسی قسم کے پانچ رومال لیے اور ریشمی رومال کو ان میں ملا دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ رومال حیدر آباد میں شیخ عبدالرحیم کو پہنچایا جائے گا جو اسے لے کر حج کو جائیں گے اور شیخ الہندؒ کے حوالے کریں گے۔ موصوف اسے انور پاشا کو لے جا کر دیں گے اور پروگرام کے مطابق ترکی، افغانستان کے راستے ۱۹ر فروری ۱۹۱۷ء کو ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔

شیخ عبدالحق نے یہ امانت پشاور میں حق نواز خاں کو رات نو بجے پہنچائی انہوں نے صبح چار بجے اسے ایک خاص آدمی کے ہاتھ بہاول پور کے مقام دین پور میں سجادہ نشین خواجہ غلام محمد کو بھجوا دیا نماز صبح سے پہلے فوج نے حق نواز کے گھر پر چھاپا مارا اور انہیں گرفتار کر لیا ان کی رہائی ایک ماہ بعد ہوئی۔ خواجہ غلام محمد کو رومال اگلے دن دس بجے صبح ملا انہوں نے اسی وقت اسے ایک آدمی کے ہاتھ حیدر آباد چلتا کیا ان کے گھر پر بھی فوج نے شام کے چار بجے چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ چار ماہ تک قید رہے۔

ریشمی رومال دوسرے دن دوپہر کو حیدر آباد میں شیخ عبدالرحیم کو ملا اور عشاء کے وقت جب وہ اسے گدڑی میں سی رہے تھے، فوج کے ہتھے چڑھ گیا۔

اس دستاویز کے ہاتھ آ جانے سے انگریزوں کو مجاہدین اور حکومت ترکی کے تفصیلی عزائم کا ثبوت مل گیا۔ انہوں نے داخلی طور پر یہ فوری قدم اٹھایا کہ ہر اس مقام پر فوج بھیج دی جہاں بغاوت کا خطرہ تھا اور شمال مغربی سرحد پر فوج دگنی کر دی اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں انقلابیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کر ہو گئی۔ جس شخص پر بھی ذرا سا شبہ گزرا اسے گرفتار کر لیا گرفتار شدگان پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ دو چار کے سوا سب ہی ثابت قدم رہے۔ تاہم تحریک دفن ہو گئی۔

خاص طور پر سب سے پہلے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ترکی کی ہر سرحد پر محاذ کھول دیئے ایران میں فوج داخل کر کے ترکی اور افغانستان کے درمیان حد بندی کر دی۔ سب سے بڑا انتقام یہ لیا کہ شریف مکہ کو آلہ کار بنا کر اس سے ترکی کے خلاف بغاوت کرا دی۔ اس کے علاوہ عرب اور ہندوستان کے زر خرید مولویوں سے ترکوں کے خلاف فتوے دلوائے۔

جنگ ختم ہو چکی تھی اور انگریزوں کو موقع مل گیا تھا کہ افغانستان کو دبائیں لیکن تحریک کے جو کارکن وہاں گرفتاری سے بچ رہے تھے انہوں نے قبائیلیوں کی بڑی رہنمائی کی۔ حاجی ترنگ زئی نے قبائیلیوں کو جمع کر کے تین سال تک انگریزوں کا مقابلہ کیا قلات اور لس بیلا کے قبائل نے دو سال تک مقابلہ کیا امان اللہ خاں نے کوہاٹ تک قبضہ کر لیا تھا لیکن انگریزوں سے صلح ہو گئی اور افغانستان کی مکمل آزادی اور خود مختاری تسلیم کر لی گئی۔

شیخ الہندؒ کو مکہ معظمہ میں گرفتار کر لیا گیا ان پر مصر کی فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور پھر جنگی قیدی بنا کر مالٹا بھیج دیا گیا جنگ ختم ہوئی تو ہندوستان آئے کچھ عرصے خلافت تحریک میں کام کیا اور رحلت فرمائی۔

اس ضمن میں کہ ریشمی رومال پکڑا کیسے گیا کچھ مصدقہ اور کچھ غیر تصدیق شدہ باتیں ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا خیال تھا۔ کہ پشاور کے حق نواز خاں نے مخبری کی لیکن مولانا حسین احمد مدنیؒ کو اس سے اختلاف تھا ان کا کہنا تھا کہ حبیب اللہ خان اور اس کا لڑکا عنایت اللہ خاں مجاہدوں کے ہر منصوبے کی انگریزوں کو باقاعدہ رپورٹ پہنچاتے تھے ان لوگوں کی غدار فطرت کے سبب یہ بات خارج از امکان نہیں ہے۔ غداری کے سلسلے میں تحریک کے اکثر ارکان متفق ہیں کہ انگریزوں کے جاسوس مجاہدین کے روپ میں تحریک میں گھس گئے تھے اور کچھ لوگوں نے جان بچانے کے لیے بھی راز اگل دیئے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن کرد آں چہ آشنا کرد

جوابی لفافہ بھیجئے

۱۔ بابو افضال احمد صاحب
۸ ڈیوس روڈ، لاہور

۲۔ لیاقت علی، پنڈ دادنخاں — براہ راست جوابات کے لئے جوابی لفافہ روانہ کریں۔

اقوامِ عالم میں مسلم قوم کا مقام

محمد سعید الرحمن علوی

نشریہ: ریڈیو پاکستان
۸ر اپریل سنہ ۱۹۸۲ء
شام: پانچ بجے

بعد از خطبہ مسنونہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
کان الناس امۃ واحدۃ

محترم سامعین ——!

قرآن عظیم میں لفظ امت چالیس مرتبہ آیا ہے اہل لغت نے اس کے درج ذیل معانی بیان کئے ہیں۔

جماعت، مدت، طریقہ، دین۔

ہر وہ جماعت جس میں کسی قسم کا کوئی ربط اشتراک موجود ہو اسے امت کہا جاتا ہے خواہ یہ اتحاد مذہبی وحدت کی بنا پر ہو یا جغرافیائی اور عصری وحدت کی وجہ سے اور خواہ اس ربط میں امت کے اپنے اختیار کو دخل ہو یا نہ ہو۔

یہ آیت کریمہ جو آپ نے ابتداء میں سماعت فرمائی۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۳ ہے اسمیں خدائے بزرگ و برتر نے امتِ مسلمہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید تفصیل سے قبل اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے، تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے اور اس میں اختلاف بھی۔ انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی اور خدا جس کو چاہتا ہے۔ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

قرآن عزیز کے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد روزِ اول سے ایک ہی طریق پر تھی جس کو طریق اسلام کہا جاتا ہے اس طریقِ اسلام میں وقتاً فوقتاً لوگوں نے اختلاف کی روش اختیار کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی اصلاح اور قدیم راہ اسلام پر لوگوں کو قائم رکھنے کی غرض سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے رہے اس قدسی جماعت کے افراد کے ساتھ کتابیں اور صحیفے ہوتے اور ان کی بنیادی تعلیمات میں سرِ مو فرق نہ ہوتا۔ یہ سلسلہ سرورِ کائنات قائدنا الاعظم الاکرم محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ گرامی تک چلا اور جب آپ قرآنِ عزیز کی شکل میں آخری سچائی لے کر دنیا میں تشریف لائے تو قدیم طریق کے مطابق آپ کی دعوت سے بھی لوگوں نے انحراف کیا اور ایک طبقہ نے شد و مد سے مخالفت کی تاہم ایک جماعت جسے فرقہ ناجیہ، طائفہ منصورہ اور اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے

وہ بتوفیق الٰہی قدیم راہِ اسلام پر قائم رہی اور آخری اُمت ہونے کے ناطہ سے تمام سعادتیں اور کامرانیاں اسکی مقدر ٹھہریں مختلف اوقات میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری اور ان پر کتابوں کے نزول کی حکمت و مصلحت کا ذکر کرتے ہوئے ایک خادم قرآن نے بڑی عجیب بات کہی۔ کہ،

اس کی مثال جیسے تندرستی ایک ہے اور مرض بیشمار۔جب ایک مرض پیدا ہُوا۔ ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا اب آخری کتاب میں ایسی راہ فرمائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

چونکہ آخری کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی اصلاح و تندرستی کا سامان فراہم فرمایا اور اسی آخری کتاب کو "مہیمن" یعنی پچھلی کتابوں کی تعلیمات کی امین و محافظ قرار دیا اس لیے اس کے نام لیواؤں کو بطور خاص امت مسلمہ اور اسی جیسے دسیوں گرامی قدر القابات سے سرفراز فرمایا۔ اس آخری صحیفہ فطرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا مقام اقوام عالم میں ایسا ہی ہے جیسے ان گنت سیاروں میں سورج ـــــ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۳ پر غور فرمائیے۔ امت مسلمہ کی کلیدی حقیقت کا کس طرح ذکر ہوا ہے۔

اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ معتدل بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں) تم پر گواہ بنیں۔

اہل لغت کے نزدیک وسط ایسی درمیانی اور معتدل جگہ کو کہتے ہیں جس کی ساخت ہر طرف سے برابر ہو اور کسی طرف میں زیادتی کمی نہ ہو۔ اس کے بعد اس کا استعمال اس طرح عام ہُوا کہ ہر اس چیز کو کہا جانے لگا جو افراط و تفریط سے پاک ہو اور ظاہر ہے کہ یہ انداز و طریق اللہ کا انتہائی پسندیدہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صراط مستقیم کی دعا سکھلائی تو اس کی تشریح میں مغضوب و ضال اقوام کی پیروی سے بچنا ذکر فرمایا اور ان اقوام کا شیوہ افراط و تفریط ہے اور سرکارِ دو عالم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

خیر الامور اوسطها

کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کام بہتر ہیں جو افراط و تفریط سے پاک ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اپنی ذات میں انجمن اور جماعت تھے اور قرآن نے انہیں "اُمت" کہہ کر یاد کیا۔ ان کی صفت "حنیف" ذکر کی گئی جس کا قریب قریب یہی مفہوم ہے کہ اس میں وسط اعتدال ہو گمراہی سے بچاؤ ہو اور افراط و تفریط سے الگ ہو ـــ یہ صفت خدا کو انتہائی عزیز ہے اور یہی صفت امت مسلمہ کا مابہ الامتیاز ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس خوبی کی بنیاد پر امت مسلمہ کو مقام شہادت سے سرفراز فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ :-

جب قیامت کی صبح اقوام عالم انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کریں گی اور یہ کہیں گی کہ انہوں نے ہمیں دعوتِ حق نہیں دی تو امت مسلمہ ان انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہ کے طور پر پیش ہو گی اور عرض کرے گی کہ ان انبیاء علیہم السلام نے بلا ریب و شک دعوت کا فرض سرانجام دیا لیکن ان قوموں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس شہادت و گواہی کی تصدیق و تائید حضور سرورِ کائنات علیہ السلام فرمائیں گے۔

اسی طرح سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ میں امتِ مسلمہ کی ایک اور خوبی اور امتیاز کو بایں طور ذکر کیا کہ:

اے اُمت مسلمہ تم بہترین امت ہو ایسی امت جو عام لوگوں کے فائدے کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

گو کہ خیر امت سے متعلق بعض اقوال ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد محض صحابہؓ یا ان میں سے بھی صرف مہاجرین ہیں لیکن اہلِ علم کا عمومی رجحان یہ ہے کہ اس سے ساری اُمت مسلمہ مراد ہے گو کہ صحابہؓ کی افضلیت اپنی جگہ امر واقعہ و مسلم ہے اور اقوام عالم میں اس اُمت کی خوبی و امتیاز یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود حق کی علمبردار ہے بلکہ حق و صداقت

کی داعی بھی ہے اس کا ہر فرد اس لئے جیتا ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور لوگ اس سے کسبِ فیض کریں اور پھر فائدہ بھی وہ جو نہ صرف یہاں کام آنے والا ہے بلکہ عقبیٰ میں بھی انسان کی ضرورت ہے ـــ علماء نے امت کے اس امتیاز پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا؛

کہ اس خصوصیت کا ذکر اس لیے ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض سے اس امت میں جہاد بھی ہوگا اور منکر کو قوت و طاقت سے دبایا جائیگا۔ کفر و شرک، بدعت، فسق و فجور اور رسوماتِ قبیحہ سب چیزیں منکر میں داخل ہیں اور اس امت کی خوبی یہ ہے کہ یہ اُن کو برداشت نہیں کرتی اور اپنے نبی علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق ان کے خلاف سرگرم عمل و جہاد رہتی ہیں۔

یہی امتِ مسلمہ ہے جس کے قیام کی درخواست حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس وقت کی تھی جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے گھر کی دیواریں چن رہے تھے۔ اس وقت جہاں وہ اس نیم پختہ عمارت کی قبولیت کی درخواست کرنے میں منہمک تھے وہاں ان کے لبوں پر یہ بھی درخواست تھی کہ اے اللہ ہمیں اپنی اطاعت و فرماں برداری کی نعمت سے برابر سرفراز رکھیو۔ ایسا کبھی نہ ہو کہ ہم تیری اطاعت برداری سے ایک لمحہ کے لیے محروم ہو جائیں اور ہماری اولاد میں ایک جماعت اور گروہ ایسا ہو جو ہماری طرح تیری اطاعت کا خوگر اور رسیا ہو۔ نیز ایک نبی برحق اور عظیم المرتبت کو ان میں مبعوث فرمانا جو آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ تزکیہ باطنی کا فرض سرانجام دے۔

خدائے قادر و توانا نے اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنا۔ شرف قبولیت سے نوازا۔ سورۃ الحج آیت ۷۸ میں اُمتِ مسلمہ کو خطاب ہوتا ہے۔

اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی اور تمہارے لیے تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین پسند کیا اسی ابراہیمؑ نے پہلے یعنی پہلی کتابوں میں تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی وہی نام رکھا ہے بس جہاد کرو۔) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد و گواہ ہو اور تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا کے دین کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ وہی تمہارا دوست ہے خوب دوست اور خوب مددگار۔

گویا جس کا نام امتِ مسلمہ ہے وہ امت وسط و اعتدال ہے افراط و تفریط سے پاک، اس کی خوبی نیکی کی ترویج برائی کا مٹانا ہے وہ اتنی خوش قسمت ہے کہ اس کا نام تمام آسمانی کتابوں میں مندرج ہے۔ ان فضائل و کمالات کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اقامت و صلوۃ کا اہتمام کرے۔ ایتاء زکوٰۃ کو اپنی عادت مستمرہ بنائے اور اختلاف و تشتت سے بچ کر خدا کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے۔ شہداء اللہ فی الارض کا منصب جلیل اسی شکل میں اسے نصیب ہوگا ورنہ اسفل السافلین کی خواری و بربادی اس کا مقدر ہوگی۔

خداوند قدوس ہمیں امتِ مسلمہ کے حقیقی افراد میں شمار کرکے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ابوالکلامیات

مرسلہ: ڈاکٹر شیر بہادر خاں، ایبٹ آباد

قرآن وسیرت نبویہ

"خدام الدین" ۵ فروری ۱۹۸۲ء میں "سرور کائنات کی خانگی اور ازدواجی زندگی" پر ایک مضمون از قلم مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ شائع ہوا اس ضمن میں عرض ہے کہ سب سے پہلے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ اس امر کی طرف توجہ دلا چکے ہیں "رسولِ رحمت" مؤلفہ مولانا غلام رسول مہر کے حوالہ سے عرض ہے :۔

"جس زمانے میں مولانا شبلیؒ سے مولانا آزاد، جنت آشیانی کے سیرت نبویہ کے بارے میں تذکرے رہتے تھے، تو مولانا آزادؒ نے علامہ شبلیؒ سے کہا۔"

آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ، قرآن اور سیرت محمدیہ کا عنوان قرار دیجئے۔ کہ خود قرآن سے کہاں تک آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کے وقائع و ایام معلوم ہو سکتے ہیں ؟"

علامہ شبلیؒ نے اس خیال پر بہت پسندیدگی ظاہر کی مگر کہا کہ اتنا مواد صرف قرآن سے کہاں نکل سکتا ہے کہ سیرت کا ایک باب مرتب ہو سکے۔ لیکن بعد میں وہ قائل ہو گئے تھے ——— کہ یہ ممکن ہے اور بہت اہم چیز ہوگی۔

پھر مولانا ابوالکلامؒ فرماتے ہیں۔" میں نے جب کچھ وقت اس کام میں صرف کیا اور ایک مستقل سیرتِ نبویہ، مجرد قرآن حکیم سے ماخوذ و منضبط کرنی شروع کر دی۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتا گیا نئے نئے دروازے کھلتے گئے اور امید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی۔ گو حقیقت پہلے سے پیش نظر تھی۔ حتیٰ کہ اس بارہ میں بڑا ذخیرہ آیات ذہن میں مستحضر تھا لیکن یہ بات تو وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ جس کتاب کو بظاہر جا بجا ذکر، احکام و مسائل و قصص گذشتگان سے مملو پاتے ہیں۔ اس میں اس قدر وافر ذخیرہ خاص شخص رسالت کا بھی موجود ہوگا ——— کتاب مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو عجیب عالم نظر آیا۔ حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں جس کے لئے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں۔ بجز نہ آنحضرتؐ بلکہ صحابہ کرامؓ کے حالات و خصائص کا بھی کافی ذخیرہ ملا۔

اس سے مجھے یقین ہوگیا۔ کہ اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں۔ دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہورِ دعوت کی نسبت سنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کی شخصیت مقدسہ اور آپؐ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔

صرف قرآن ہی بس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا ؟ کیسے زمانہ میں آیا ؟ کس ملک میں پیدا ہوا، اس کے خویش و بیگانہ کیسے تھے ؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا ؟ اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا ؟ اس کے دن کیسے

بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں۔ اُس نے کتنی عمر پائی ؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے ؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا ؟ اُس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو اس دنیا کا کیا حال تھا اور جب واپسین نظر ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔

غرض ایک وجود، مقاصدِ وجود اور اعلام و صداقت و عظمت کے لئے اس کے وقائع و ما یتعلق بہا و ما یبا سب ذلک میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کچھ صرف قرآن کی زبانی دنیا معلوم کر سکتی ہے، اور اس بارے میں بھی قرآن، اپنے باہر کا ابداً محتاج نہیں اور یہ سب کچھ از قبیل ارشادات و مرموزات نہیں جیسا کہ ارباب نکات و دقائق کا طریق استنباط ہے بلکہ صاف صاف اور کھلا کھلا بیان جو فقہاء کے طریق استنباط اور اشارۃ النفس سے کہیں زیادہ واضح، ظاہر اور اگر رموز و اشارات و تلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آٹموں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ پورے قرآن میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر نہیں۔

اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ معاملہ بھی منجملہ خصائص و اعجازِ قرآن ہے کہ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جا سکتی جب تک پیغام لانے والے کی صداقت و امانت نہ جانچی جا سکے۔ اور وہ ممکن نہیں جب تک اس کی پوری زندگی اور زندگی کے اعمال و وقائع دنیا کے سامنے نہ ہوں۔

پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفہ آسمانی ایسا ہے جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع و سوانح پر ہر زمانے اور ہر عہد خود اپنی زبانی سنا دے سکتا ہے تو وہ بجز قرآن حکیم و محفوظ کے اور کوئی نہیں

" ذکر اور سیرت نبویہ ماخوذ و مستنبط قرآن کی نسبت تھا سو الحمد للہ، وہ امید و گمان سے دہ چند اوسع و اکمل مرتّب ہو گئی۔ انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ساری سیرتیں اور تاریخیں ایک طرف اور خود لسان الٰہی کا ایک کلمہ منطوقہ و محفوظہ ایک طرف۔ تعجب ہے کہ اصحابِ سیر نے باوجود کمال سعی و نظر اور مشغولیت جمیع طرق و تتبعات سیرت، اس طرف کیوں توجہ نہ کی۔ جب تک یہ چیز مرتب نہ ہوئی تھی خود اپنا حال بھی دوسرا تھا۔ اور اب جو دیکھا تو کارخانہ ہی دوسرا نظر آیا۔"

مگر افسوس ! وہ مجموعہ مرتّب کردہ مولانا آزاد مرحوم و مغفور محفوظ نہ رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی بہت سے اور علمی حقائق و معانی کے دفتر بھی ان کے ساتھ ہی قبر میں چلے گئے۔ جس کا خود ان کو بھی فکر و افسوس تھا، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

" افسوس کہ زمانہ مرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سرو سامان نہ کر سکا۔ غالب کو تو صرف اپنی ایک شاعری ہی کا رونا تھا۔ نہیں معلوم کہ میرے ساتھ قبر میں کیا کیا چیزیں جائیں گی" ؎

نا روا بود بہ بازارِ جہاں جنسِ وفا
رونقے گشتم و از طالع دکاں رفتم

بعض اوقات سوچتا ہوں تو طبیعت پر حسرت و الم کا ایک عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے مذہب، علوم و فنون، ادب، انشار، شاعری کوئی وادی ایسی نہیں جس کی بے شمار راہیں مبدء فیاض نے مجھ نامراد کے دماغ پر نہ کھول دی ہوں و ہر آن و ہر لحظہ نئی نئی بخششوں سے دامن مالا مال نہ ہوا ہو۔ بجدیکہ ہر روز اپنے آپ کو عالم معنی کی کرشمہ سنجیاں پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیاں ماند کر دیتی ہیں۔

(باقی ۲۷ پر)

تحریر: عبدالرزاق فاضل دیوبند (فاضل فارسی)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

چار سو اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا مسلمانوں کی حکومتِ ہند روبہ زوال تھی مرکزی طاقت میں استحکام باقی نہ رہا تھا ہر علاقے میں بغاوتوں اور غداریوں نے ابھرنا شروع کر دیا اور یہ حقیقت یقینی معلوم ہو رہی تھی کہ اب مسلمانوں کا مستقبل حاکمیت سے نکل کر انتشار و محکومیت کی نذر ہو جائے گا۔ اس پر مزید المیہ یہ تھا کہ جو کچھ دین کا تصور حاکمانہ دور میں نشر و شائع ہو چکا تھا اس میں اتنی غلط روایات و احکامات کار فرما تھیں کہ ان کی موجودگی میں دین کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔

دونوں خرابیاں یعنی دین کا غلط تصور اور ملت اسلام کی سلطنت و حاکمیت کا زوال کچھ ایسی نہ تھیں کہ جن کی وجہ سے ابروئے مشیت پر شکن نہ آئے چنانچہ مشیت نے اپنی عادتِ مستمرہ کے مطابق ایک ایسے نور کو اجاگر کرنے کا تہیہ کیا جس میں دین کا اصلی چہرہ بھی جلی اور واضح طور پر نظر آئے اور مسلمانوں کو من حیث الملۃ باعزت طور پر آزادی بھی عطا ہو جائے۔ مشیت کی نظر سطحی نہیں ہوتی اگر سطحی نظر ہوتی تو پرانے طریقے پر بادشاہوں کے خاندان میں سے کسی طبقے یا کسی فرد کو فوجی انقلاب کے لیے آمادہ کیا جاتا، یہاں تو یہ حالت تھی کہ آنے والے دور میں بادشاہتوں کا خاتمہ مقدر ہو چکا تھا اور جمہوریتوں اور عوامی انقلاب کا رستہ کھلنے والا تھا۔ چنانچہ دستِ قدرت نے اس نئے اسلوب کے لیے اسی طرح کے حالات پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

سرمایہ پرستانہ اور ملوکیت کی خرابیاں ایسے راستے پر چل نکلی تھیں کہ ان کا ردعمل (Re-action) عوامی انقلاب کی شکل میں رونما ہونا منطقی طور پر قطعی اور حتمی ہو چکا تھا چنانچہ پردۂ غیب نے ایک نیک طینت پاک فطرت حاکمیت کے پورے انداز سے واقف اور قرآن و حدیث کے نکات کے حامل گھرانے کو منتخب کیا۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ جو خود اور ان کے آباؤ اجداد رموز شاہانہ اور طرز و طریق سے مکمل واقف اور دین کے اسرار و غوامض کے ماہر تھے ان کے گھر میں رب العزت نے ایک بچے کو جنم دیا۔ جن کا نام نامی احمد تھا مگر اپنی شان ولایت کے مکمل اوصاف کی وجہ سے بچپن ہی میں ولی اللہ کے نام سے مشہور ہو گئے یہ اٹھارہویں صدی کا آغاز تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کا عہد حکومت تھا ۱۷۰۳ء میں پیدا ہونے والے اس بچے کو قدرت نے اتنے معجزانہ طریقے سے تربیت دی، کہ بچپن ہی میں علوم دینی کے اتنے زبردست عالم ہو گئے کہ بڑے بڑے علماء اس مقام تک پہنچنے میں عمر کا اکثر و بیشتر حصہ صرف کر دیتے۔

ابھی ان کی جوانی تھی، حرمین شریفین میں علم حدیث کے مزید استفادہ کے لیے جا پہنچے وہاں کے مشائخ و اساتذہ سے علم حدیث کو دوبارہ حاصل کرنا شروع کیا۔ مشائخ و اساتذہ تو کہتے " ولی اللہ ہم سے حدیث کے لفظوں کی سند حاصل کرتا ہے اور ہم اس سے قرآن و حدیث کے معنوی علوم کی سند حاصل کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے ان کمالات میں انوار بیت اللہ اور روضۂ اطہر کے فیضان کا بنیادی اثر تھا اور آنے والے انقلاب کے

بانی شاہ ولی اللہ کو اسی مقدس مقام سے " فَکُّ کُلِّ نظام " (ہر باطل نظام کو تہ و بالا کر دے) کا امر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک سے ملا۔

کچھ عرصہ بعد شاہ صاحب حرمین سے ہندوستان کو مراجعت فرما ہوئے۔ دہلی میں اپنے والدؒ کے مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے ساتھ ساتھ ایک عظیم انقلاب کے لیے قدرت نے حرکت دینی شروع کی، اس باکمال ہستی کو رویائے صادقہ کے ذریعے حرف بحرف صحیح ہونے والے امور منکشف ہونے لگے قرآن و حدیث کی تفسیر و تعبیر میں وہ یدِ طولیٰ حاصل ہوا کہ گذشتہ زمانے کی تمام بدعات و خرافات کا رد شروع کیا۔ قرآن کی تفسیری الجھنوں سے ہٹ کر عام فہم سادہ ترجمہ کیا تاکہ قرآن جو " یسرنا القرآن للذکر " کے الفاظ میں ساری کائنات میں زبردست منادی کرتا چلا آیا ہے اس کی صداقت کو الم نشرح کر دیا جائے۔

شاہ صاحب نے قرآن کا "فتح الرحمٰن" کے نام سے فارسی ترجمہ کیا جو اس وقت کی سرکاری زبان تھی۔ قرآن کی عربی تفسیروں کی اغلاط کو ایک ایک کر کے نکال دیا۔ تفسیر کے اصول تحریر کیے اور حشو و زوائد سے پاک مطالب و مفاہیم کا تعین کیا۔ حدیث جو تمام علوم دینیہ کا مرکز ہے اس میں اسرار و رموز کی حد تک تحقیق (Research

کی۔ اس طرح حدیث میں جتنا موضوع و ضعیف اور غیر مستند ذخیرہ جمع ہو چکا تھا اسے الگ کیا۔ حجۃ اللہ البالغہ، بدور بازغہ، تفہیمات، خیر کثیر الفوز الکبیر وغیرہ کتب میں قرآن و حدیث میں مہارت و کمال کا اتنا بڑا ثبوت مہیا ہوتا ہے کہ عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہے یہ کہنا غلط معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانفشانی اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے یا سراسر مطالعہ کا کمال ہے۔ نہیں نہیں یہ حقیقت عیاں و الم نشرح ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کو قدرت نے کمال عقل کے ملکاتِ الہامیہ عطا کیے تھے جو بجا طور پر ایک عظیم مجدد کا حصہ ہوتے ہیں۔

کارل مارکس شاہ صاحب کے سو سال بعد ظاہر ہوتا ہے لیکن معاشی مساوات کی تدابیر جمہوری دور کے تقاضوں کی مکمل تشریح اور عوامی انقلاب کی تمام تفاصیل حضرت شاہ صاحب اتنی صاف صاف بیان کر جاتے ہیں کہ بعد میں آنے والا کارل مارکس کا فلسفہ معاشیات و اقتصادیات اس کا دریوزہ گر معلوم ہوتا ہے اور کارل مارکس کا فلسفہ یک چشم اور دین کا منکر ہے حالانکہ دین کا لگاؤ طبیعت انسانی میں ودیعت الٰہیہ ہے الٰہیات کا نام تک نہیں شاہ صاحب تمام ادیان عالم کی مکمل تشریح کر کے منطقی طریق پر دین اسلام کی صداقت کو ایسا واضح کرتے ہیں کہ عظیم مفکرین) سوائے دین اسلام کے کسی "ازم" کو

ایک خبر بلا تبصرہ

لاہور ۲۷ مارچ (اسٹاف رپورٹر)

لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل ریٹائرڈ میجر جنرل ایم، ایچ انصاری نے ایک ملاقات میں انکشاف کیا کہ صوبائی دارالحکومت میں زمینوں اور پلاٹوں پر قبضہ کرنے کے لئے بعض افراد کی طرف سے پیروں فقیروں کے جعلی مزار بنانے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ انہوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ گلبرگ میں یوسی ہسپتال کے قریب ایک پلاٹ پر تین جعلی مزار بنا دئے گئے اور اس بات کا میں خود چشم دید گواہ ہوں کہ وہ مزار قطعی جعلی ہیں اور کوئی پیر فقیر اس کے نیچے دفن نہیں ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس قسم کے جعلی مزاروں کو مسمار کیوں نہیں کرا دیتے تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ ضعیف الاعتقادی کا زمانہ ہے اگر ایسا کیا گیا تو جہالت کے مارے لوگ مزاحمت کرنے کے لئے باہر نکل آئیں گے۔"

جب قانون کے محافظ اس طرح حالات کی رو میں بہہ جائیں تو کیا بنے گا؟

ماننے کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے۔

(جاری ہے)

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں دفتر میں ضرور بھیجئے —— مدیر

سیرتِ رحمتِ عالم
اور
آسان عربی کی کتاب

یہ دونوں کتابیں رحمت بک کمپنی چوک جامع مسجد بہاولپور کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، دونوں کی تالیف کا سہرا علامہ حکیم نور احمد قاسمی کے سر ہے جو دارالعلوم دیوبند اور جامعہ عباسیہ بہاولپور کے فیض یافتہ ہیں۔ سیرتِ رحمتِ عالم نامی کتاب حضور سرورِ کائنات علیہ السلام کے حالات طیبہ پر مشتمل ہے اور مؤلف نے آسان زبان میں اسے سوال و جواب کے انداز میں مرتّب کیا ہے تاکہ چھوٹے بچے اور کم پڑھے لکھے لوگ استفادہ کر سکیں۔

اور آسان عربی کتاب کا جہاں تک تعلق ہے اس کے دو حصے ہیں عام لوگوں کو عربی سکھانے کی غرض سے یہ رسائل لکھے گئے ہیں —— چونکہ عربی قرآن و سنت کی زبان ہے اس لئے اس کا سیکھنا بڑا ضروری ہے۔ مؤلف کی یہ کاوش قابلِ قدر ہے —— کتابوں پر قیمت درج نہیں۔ ہم قارئین کو استفادہ کی توجہ دلاتے ہیں۔

فاتحہ کا صحیح طریقہ

مؤلفہ: مولانا قاضی سید محمد اسمٰعیل صاحب
قیمت: -/۱۰ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ انوریہ رائے ونڈ

ایصال ثواب، فاتحہ اور نذر و نیاز جیسی چیزیں ایسی ہیں جن کا سلسلہ ابتدا سے چلا آرہا ہے۔ قرآن و سنت میں ان کا طریق اور انداز ذکر کیا گیا ہے اور ان پر مرتّب ہونے والے نتائج کا بھی ذکر ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمان قوم کی عام غفلت اور دین سے بے خبری نے جہاں اور معاملات میں افراط و تفریط کی روش اختیار کر لی وہاں یہ مسائل بھی نہ بچے۔ بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ مرنے والا مر گیا، اب قصہ ختم۔ زندوں کا اس سے کوئی معاملہ نہ تعلق۔ جبکہ بعض نے من گھڑت طریقے اختیار کر لئے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی معتدل تعلیم دونوں کے خلاف ہے۔ مولانا سید محمد اسماعیل نے کتاب و سنت کی روشنی میں صحیح صحیح باتیں لکھ کر برادرانِ اہلسنت پر احسان فرمایا۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالےٰ جیسے اکابر و اعیان کی تقاریظ کتاب کے مستند ہونے کے لئے کافی ہیں۔ مکتبہ انوریہ کے اربابِ حل و عقد نے خوبصورتی سے کتاب چھپوائی ہے اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے تاکہ عملی زندگی میں افراط و تفریط سے ہم لوگ بچ سکیں۔

ریاضِ نبویؐ کے گلِ تر

دارالمصنفین اعظم گڑھ (یو، پی) کے یگانہ روزگار صاحب علم و قلم حضرت علامہ شاہ معین الدین احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور عالم کتاب تابعین کے تین مضامین جو حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) محمد بن علی (باقرؒ) اور جعفر بن محمد (صادق) رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرت و کردار پر مشتمل ہیں۔ تنظیم طلبہ بلتستان جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ الگ سے چھاپ دئے ہیں تاکہ امّت مسلمہ ان قابل صد احترام رہنماؤں اور بزرگوں سے متعلق نئی نسل آگاہ ہو سکے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرات اہلسنت وجماعت کے وہ قابلِ فخر فرزند و سپوت ہیں جن کی زندگیاں عمل بالقرآن اور تمسک بالسنۃ کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں ان اساطین ملّت نے حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت و فرمانبرداری میں گذارا اور یوں آنے والی نسلوں کو سبق پڑھا گئے کہ ایک انسان کی اصل خوبی اس کا ایمان و یقین اور تقویٰ و طہارت ہے —— بدقسمتی سے عوام کے مختلف طبقات نے ان بزرگوں سے متعلق افراط و تفریط کا راستہ اختیار کر لیا اس مصیبت عظمیٰ سے نجات کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان حضرات کے مستند حالات زندگی سامنے آئیں تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں اور لوگ ان کے اصل مقام سے واقف ہو سکیں۔ غریب علاقہ کے طلبہ کی ایک تنظیم کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس پر وہ پوری ملّت کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدر کریں گے۔ اور عزیز طلبہ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

بقیہ : ابوالکلامیات

ما ذلت انزل فی وردک منزلا الالباب عند نزدلھا

لیکن افسوس! جس ہاتھ نے فکر و نظر کی ان دولتوں سے گرانبار کیا اس نے شاید سرو سامان کار کے لحاظ سے تہی دست رکھنا چاہا۔ میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد و محل کا آدمی نہ تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا ؎

کم ازنا ذاک الزمان بمدح فشغلنا بزم ھذا الزمان

حضرت مولانا محمد ابراہیم علیہ الرحمہ

—— کوثر نیازی

بنیاد کی اینٹیں کس کو نظر آتی ہیں مگر دیکھا جائے تو کسی عمارت کے تمام تر استحکام کا دارومدار انہی پر ہوتا ہے۔ بنیاد مضبوط ہو تو عمارت مضبوط ہوتی ہے بنیاد کمزور اور ناپائیدار ہو تو عمارت کمزور اور ناپائیدار ہوتی ہے۔ بنیاد کی اینٹیں اپنا وجود مٹا دیتی ہیں تب کہیں جا کر عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ دیکھنے والے عمارت کی تعریف کرتے ہیں کہ نظروں کے سامنے وہی ہوتی ہے بنیاد کی اینٹوں کو کم ہی کوئی یاد کرتا ہے حالانکہ انہی کی قائمیت پر عمارت کی بقا کا انحصار ہوتا ہے۔

یہی حال انسانی معاشرے کا ہے اس میں تحریکیں اور قائدین نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں لیکن وہ بے ریا کارکن جو اپنی ذات کو مٹا کر انہیں ابھارنے کا باعث بنتے ہیں بنیاد کی اینٹوں کی طرح نظر نہیں آتے ابھی حال ہی میں انار کلی لاہور کی جامع مسجد کے خطیب مولانا محمد ابراہیم کا انتقال ہوا ہے حق مغفرت کرے وہ بھی ایسے ہی بے نفس اور بے لوث لوگوں میں سے تھے جنہوں نے نام و نمود کے بجائے ایثار و قربانی کو مطمح نظر بنایا' ان کی تعمیر کردہ تحریکات و شخصیات مرجع عقیدت بنی ہوئی ہیں مگر وہ اٹھے تو ایک محدود حلقے کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے اٹھ جانے سے دینی حلقوں میں کتنا بڑا خلا واقع ہو گیا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم اصلاً ضلع مانسہرہ (صوبہ سرحد) سے تعلق رکھتے تھے مگر دینی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد لاہور ہی کو انہوں نے اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔ لاہور میں کپڑوں کی مشہور دکان بمبئے کلاتھ ہاؤس ہے اس کی بغل میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی یہیں خطابت و امامت کے فرائض انجام دیتے تھے اور مسجد سے ملحق حجرے ہی میں قیام پذیر تھے۔ یہ جگہ انار کلی کے عین مرکز میں واقع تھی اس لئے انار کلی کے بڑے بڑے تاجر مولانا ہی کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ بمبئے کلاتھ ہاؤس کے منیجر جناب جولی بھائی ایک علم دوست آدمی تھے۔ نماز عصر کے بعد ان کے ہاں ہماری نشست جمتی تو مولانا بھی تشریف لے آتے۔ ہنس مکھ' خندہ رو' متوکل علی اللہ آدمی تھے۔ چاہتے تو اپنے حلقہ عقیدت سے کیا کیا مالی فائدے نہ اٹھا سکتے تھے مگر کوہستان کے بنے ہوئے کمبل فروخت کر کے گزر بسر کرتے' دینی غیرت و حمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لئے لاہور میں "مولوی تلوار" کے نام سے مشہور تھے اور واقعی دین کے معاملے میں تھے بھی ننگی تلوار' کئی دفعہ جیل گئے۔ ہر دینی تحریک میں دل و جان سے شامل رہے' اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت کے اصول پر کسی کو کار فرما دیکھا تو وہ یہی مولانا ابراہیم تھے۔

مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی سے بہت قریبی تعلقات تھے اور اکابر دیو بند کے بطور خاص حلقہ بگوش تھے مگر ربط و ضبط ہر مکتب فکر کے علماء سے تھے۔ میل جول اور تعلق خاطر میں تعصب روا نہ رکھتے بلا لحاظ ہر مسلک ہر شخص کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور یہ واقعہ ہے کہ ان کے شگفتہ اور پر نور چہرے کو دیکھ کر کتنے ہی لوگ اپنا غم بھول جاتے تھے۔

میں ملک سے باہر تھا کہ ان کے خواہر زادہ نے ان کی وفات کی خبر بھیجی' مرحوم کے گاؤں میں ان کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ ہو رہا تھا اس کی صدارت کی دعوت دی' میں یہاں ہوتا تو سر کے بل چل کر اس اجتماع میں شریک ہوتا اب ان کے اعزا و اقربا اور ان کے چاہنے والوں سے ان سطور کے ذریعے معذرت و تعزیت کر رہا ہوں۔

بشکریہ جنگ لاہور ۲۸ مارچ ۸۲ء

ٹیلی فون نمبر ۶۴۹۸۴ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴

منظور شدہ محکمہ تعلیم
۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۲۲۱۹ مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۹۵۶ء ۲- پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۳۷/ ۲۴۸۱-۲۳۷ مورخہ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳/۶/۲۰۶۷-۹ D.D.A ۲۴ اگست ۱۹۵۶ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو ۲/۹۰ ۱۵۳۱۰/۴۰ مورخہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء